جنگل کا قانون
اشتیاق احمد
www.urdufanz.com

محمود
فاروق
فرزانہ

انسپکٹر
جمشید
کا
سیریز ۴۶

جنگل کا قانون

اشتیاق احمد

جنگل کا قانون آپ کو میرے تقریباً تمام ناولوں سے بالکل مختلف نظر آئے گا، اس میں انسپکٹر جمشید بھی مجرم کو بالکل مختلف انداز میں پکڑتے ہیں، گویا یہ ناول آپ کو سر سے لے کر پیر تک مختلف محسوس ہوگا، آپ کہیں گے، میں لفظ مختلف کی گردان کرنے بیٹھ گیا ہوں، اس لفظ کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا.... جی نہیں! میں اب اس لفظ کی مزید بال کی کھال نہیں اتاروں گا، ہاں اگر آپ کو یہ نئے انداز کا ناول نہ محسوس ہو تو آپ ذرا مختلف انداز میں مجھے خطوط ضرور لکھ سکتے ہیں، میں ان کا استقبال بھی مختلف طریقے سے کروں گا...... یوں بھی مجھے یقین ہے کہ آپ اسے مختلف تسلیم کر لیں گے..... زبردستی نہیں، زبردستی کے خلاف ہی تو یہ ناول لکھا گیا ہے.... آپ بھی زبردستی سے زبردست پرہیز کیجیے گا، کہیں کوئی انسپکٹر جمشید آپ کو بھی نہ ٹکر جائے۔ اب آپ کا کافی دماغ چاٹ چکا.... ناول پڑھنے کے لیے بھی کچھ دماغ کی ضرورت ہے، لہٰذا باقی دماغ ناول پر صرف کیجیے.... خدا آپ کا بھلا کرے۔

اشتیاق احمد

بار اول : دسمبر ۱۹۸۱
مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز۔ لاہور
قیمت : پانچ روپے پچاس پیسے

مکتبہ اشتیاق۔ راجپوت مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

ترتیب

- پردہ نشین دشمن
- کوٹھی کی سیر
- دھمکی
- دو نقاب پوش
- نئی واردات
- ان کی مسکراہٹ
- نمک حرام
- شادیٔ مرگ

پردہ نشین دشمن

جنگل میں بیک وقت چار فائر ہوئے۔ چار گولیاں جنگل کے درمیان سے گزرنے والی چاروں جیپوں کے ایک ایک ٹائر میں لگیں اور جیپیں لڑکھڑا نے لگیں۔ راستہ کچا تھا، ان کی رفتار پہلے ہی کچھوے کی تھی، ٹائر پھٹنے پر ان میں سے کوئی اُلٹ تو نہ سکی۔ البتہ انہیں رکنا ضرور پڑا، ساتھ ہی جیپوں میں بیٹھے ہوئے لوگ ہاتھوں میں بندوقیں لیے چھلانگیں لگا لگا ادھر ادھر درختوں کی اوٹ لینے لگے۔ یہ تقریباً بیس آدمی تھے۔ ان میں سے ایک نے گرج دار آواز میں کہا:

"جس نے بھی گولی چلائی ہے، اس نے اپنی موت کو آواز دی ہے..... وہ سامنے آجائے، ورنہ بھون ڈالا جائے گا...."

"لیکن خان بہادر صاحب.... معاف کیجیے گا...."

"معاف کیا.... تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ ہر بات میں معاف کیجیے گا نہ لگایا کرو۔" اسی آواز نے دوسرے شخص کو جملہ مکمل نہ کرنے دیا۔

"اوہ! معاف کیجیے گا.... ارے لاحول ولاقوۃ.... پھر نکل گیا۔" دوسرے نے گڑبڑا کر کہا۔

دونوں ایک درخت کے پیچھے سینے کے بل لیٹے ہوئے تھے۔ ہاتھوں میں بندوقیں تھیں اور انگلیاں ان کی لبلبیوں پر، لیکن نشانہ کسے بناتے، سامنے تو کوئی تھا نہیں۔

"ہاں! کیا کہنا چاہتے تھے تم؟" خان بہادر نے پوچھا۔

"یہ کہ فائر چار ہوئے ہیں.... اور ایک ساتھ ہوئے ہیں، اس لیے وہ کم از کم چار ہیں، جب کہ آپ انہیں ایک خیال کر رہے ہیں۔"

"بکومت.... تمہارا دماغ پگھل گیا ہے.... میں نے انہیں ایک نہیں چار ہی سمجھا ہے، لیکن مخاطب اس طرح کیا ہے جیسے وہ ایک کے برابر ہوں .... اور وہ ہمارے مقابلے میں تو ایک کے برابر بھی نہیں بنتے۔"

"آپ.... آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن معاف....." وہ کہتے کہتے رک گیا۔

خان بہادر نے مڑ کر اس کی طرف کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔ عین اسی وقت ایک فائر اور ہوا، خان بہادر کے ہاتھ سے بندوق گر گئی۔ گولی بندوق کی پر لگی تھی۔

"خان بہادر ریاست علی خان.... اس جنگل میں آپ کی نہیں..... میری حکومت ہے۔ ہاتھ اوپر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جائیے ورنہ سینہ چھلنی کر دیا جائے گا.... اپنے ساتھیوں کو بھی ہدایت کر دیں کہ بندوقیں پھینک پھینک کر ہاتھ اٹھاتے ہوئے سامنے آجائیں۔" ایک بارعب اور گونج دار آواز نے جنگل میں جیسے ہل چل مچا دی۔

بندوق ہاتھ میں سے نکل جانے کے بعد خان بہادر ریاست علی کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ انہوں نے تیزی سے اپنے ساتھی کی بندوق پہ ہاتھ ڈال دیا، لیکن فوراً ہی ایک اور فائر ہوا اور اس بندوق کی نال بھی مڑ گئی۔ ساتھ ہی وہ آواز پھر گونج اٹھی۔

"آپ کا بہت لحاظ کیا جا چکا خان بہادر صاحب..... آپ اس وقت پوری طرح ہماری زد میں ہیں.... جن گولیوں نے بندوقوں کا مزاج پوچھا ہے وہ گولیاں آپ کے سینے کا رخ نہایت آسانی سے کر سکتی تھیں.... اب بھی اگر آپ نے ہدایت پر عمل نہ کیا تو انجام بہت بھیانک ہوگا۔"

خان بہادر نے بے چارگی کے عالم میں اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور بولے:

"کیوں وجاہت میر.... کیا کہتے ہو؟"

"م.... معا..... سوری خان بہادر صاحب.... میرے خیال میں تو ہاتھ اوپر اٹھا دیئے جائیں.... کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔" ان کے ساتھی وجاہت میر نے کہا۔ یہ ایک نوجوان اور پتلا دبلا آدمی تھا۔

"لینے کے دینے سے تمہارا کیا مطلب؟" خان بہادر چونکے۔

"مطلب یہ کہ شکار کرنے آئے ہیں، کہیں خود شکار ہو کر نہ رہ جائیں اور درندے ہماری ضیافت نہ اڑائیں۔"

"کیا بکتے ہو؟"

"ان حالات میں میں اور کیا مشورہ دے سکتا ہوں..... وہ جنگل میں نہ جانے کہاں چھپے ہوئے ہیں۔"

"اچھا خیر.... یہی کر لیتے ہیں۔"

انہوں نے کہا اور ہاتھ اوپر اٹھا دیے.... وجاہت میر نے بھی ان کا ساتھ دیا۔

"ساتھیو.... بندوقیں پھینک کر ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے سامنے آجاؤ۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

تھوڑی دیر بعد تقریباً بیس آدمی ہاتھ اوپر اٹھائے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔

"اب پچاس قدم گن کر اٹھائیے.... ناک کی سیدھ میں چلے آئیے۔"

"لل..... لیکن..... میری ناک کی سیدھ میں تو ایک بہت بڑا درخت ہے۔" وجاہت میر نے گھبرا کر کہا۔

"چپ رہو...." خان بہادر نے جھلا کر کہا۔

وہ سب ایک ایک قدم اٹھانے لگے۔ یہاں تک کہ پچاس قدم دور پہنچ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ انہیں یہاں تک پہنچنے پر مجبور کرنے والے اب کوئی نیا حکم دیں گے، لیکن کوئی آواز نہ سنائی دی۔ کسی نے ان سے کچھ نہ کہا۔

"وجاہت میر.... وہ تو خاموش ہو گئے ہیں، آخر یہ چکر کیا ہے؟" خان بہادر نے تنگ آ کر کہا۔

"میں ابھی معلوم کرتا ہوں جناب۔" وجاہت میر نے کہا اور پھر منہ پیچھے کر کے بلند آواز میں بولا:

"ہم پچاس قدم دور آ گئے ہیں.... اب ہمارے لیے کیا ہدایت ہے۔" اس نے جان بوجھ کر لفظ حکم نہ بولا کہ کہیں خان بہادر کو طرارہ نہ آ جائے۔

اس کی بات کے جواب میں بھی کچھ نہ کہا گیا۔ اب تو ان کی حیرت، الجھن اور جھنجلاہٹ کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

"وجاہت میر! ہم اس حالت میں زیادہ دیر کھڑے نہیں رہ سکتے۔" خان بہادر نے تلملا کر کہا۔

"تو پھر پہلے میں ہاتھ نیچے گراتا ہوں، تاکہ یہ پردہ نشین دشمن اگر گولی چلائے بھی تو مجھ پر چلائے اور آپ فخر سے یہ کہہ سکیں، وجاہت میر ہم پر قربان ہو گیا۔"

"ہم جانتے ہیں وجاہت میر.... تم ہمارے سچے وفادار ہو۔" خان بہادر نے دل کی گہرائی سے جواب دیا۔

وجاہت میر نے اپنے ہاتھ نیچے گرا دیے اور بلند آواز میں بولا:

"اگر تم لوگ کوئی بات نہیں کرنا چاہتے تو ہمیں یہاں تک کیوں بلایا تھا.... جواب دو۔"

لیکن اس کی آواز جنگل میں گونج کر رہ گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے فائر کرنے والوں کو زمین کھا گئی ہو یا آسمان نگل گیا ہو۔

"ارے! آخر تم کہاں غائب ہو گئے ہو، کہیں ہوا میں تو نہیں تحلیل ہو گئے۔"

اس پر بھی کوئی جواب نہ ملا تو خان بہادر کا پارہ چڑھ گیا۔

وہ جھلاہٹ کے انگارے چباتے ہوئے جیپوں کی طرف مڑے، ہاتھ نیچے گرائے اور فوج کے کسی کمانڈر کی طرح جیپوں کی طرف قدم اٹھانے لگے ان کی فوج ان کے پیچھے چلنے لگی۔ یہاں تک کہ جتنے قدم چلے تھے، اتنے قدم واپس لوٹ آئے ..... پھر کچی سڑک پر کھڑی جیپوں کی طرف دیکھا:

"وہ بزدل تو بھاگ گئے ..... شاید کوئی مسخرے تھے:" وجاہت میر نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں! لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اب جیپوں کا کیا کریں۔"

"کرنا کیا ہے ..... ان کے ٹائر بدلیں گے اور شکار کھیلنے کے لیے آگے بڑھیں گے:" وجاہت میر نے کہا۔

"ٹھیک ہے ..... جلد از جلد ٹائر بدل ڈالو، میں تمہیں صرف پندرہ منٹ دیتا ہوں:"

وجاہت میر اور دوسرے جیپوں کے پاس دوڑ کر پہنچے اور پھر ان کے منہ کھلے کے کھلے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ..... چاروں جیپوں سے ہر قسم کا سامان غائب تھا۔

شکار کا سامان، کھانے پینے کی چیزیں اور یہاں تک کہ جیپوں کے فالتو ٹائر تک غائب کر دیے گئے تھے۔

انہوں نے ایک دوسرے کو اس طرح دیکھا جیسے وہ پاگل ہو گئے ہوں، یا پھر وہ جنگل آسیب زدہ ہو گیا ہو۔

ان دنوں وہ پکنک پر پکنک منا رہے تھے۔ بیگم جمشید حیران تھیں کہ ان کے شوہر کو ہو کیا گیا ہے، انسپکٹر جمشید کو تو پکنک پر جانے کا قطعاً شوق نہیں تھا ..... اگر کبھی محمود، فاروق اور فرزانہ پکنک کے لیے اصرار بھی کرتے تو بھی وہ صاف انکار کر دیتے تھے، لیکن ان دنوں حال یہ تھا کہ خود ہی کہہ اٹھتے، چلو یار آج پکنک منانے چلیں ..... بیگم جمشید تو ایسے موقعوں پر ویسے ہی کنی کترا جایا کرتی تھیں، چنانچہ وہ ان تینوں کو ساتھ لیتے، کھانے پینے کا سامان اور دوسری چیزیں کار میں رکھتے اور نکل کھڑے ہوتے۔ افریقہ والی جائداد ملنے کے بعد انسپکٹر جمشید نے اس کا تقریباً نصف حصہ فلاحی اداروں کو دینے کے بعد ایک کار خرید لی تھی، ایک پر فضا مقام پر ایک کوٹھی کی تعمیر شروع کرا دی تھی اور بقیہ رقم ایک محفوظ کاروباری ادارے میں لگا دی تھی جس سے انہیں اچھا خاصا نفع ملنے لگا تھا۔

آج بھی وہ ابھی ابھی پکنک منا کر آئے تھے۔ بیگم جمشید کا موڈ آف تھا۔ انہیں روز روز کی پکنکوں سے چڑ سی ہو گئی تھی:

"آخر آپ کو ہو کیا گیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں، بچوں کو آج کل چھٹیاں ہیں، دفتر میں مجھے بھی کوئی خاص کام نہیں ان دنوں ..... مجرم حضرات شاید آجکل لمبی تانے سو رہے ہیں، ان

حالات میں میں انہیں پکنک پر نہ لے جاؤں تو اور کیا کروں، ویسے اگر تم زیادہ ہی برا مانتی ہو تو ہم نہیں جائیں گے یا پھر تم بھی ساتھ چلا کرو۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے، اگر میں اس طرح پکنکوں پر جانے لگی تو گھر کا کام کون کرے گا...." اور نہ ہی مجھے آپ کو روکنے کی ضرورت ہے، آپ شوق سے جایئے۔"

"تو پھر اعتراض کیوں کیا جا رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"مجھے حیرت ہوئی تھی روز روز کی پکنکوں سے...... اس لیے پوچھ لیا تھا.... کہیں آپ کا ارادہ مجھ سے لڑنے کا تو نہیں۔"

"ارے نہیں! آپ سے لڑ کر ہم اس گھر میں کیسے رہ سکیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ابا جان! اب پکنک کا پروگرام کب بنے گا۔" فرزانہ بول پڑی۔ وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

"بھئی ابھی تو واپس لوٹے ہیں، ایک آدھ دن ٹھہر کر ہی جائیں گے۔"

"خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے فون آئے تھے.... انہیں بھی آپ کی پکنک پر حیرت ہو رہی تھی۔ ان لوگوں کو یہ اعتراض ہے کہ ان کے بغیر پکنک کے پروگرام کیوں بنائے جا رہے ہیں۔" بیگم جمشید نے گویا انہیں اطلاع دی۔

"اوہ ہاں.... واقعی..... ہمیں ان لوگوں کے ساتھ بھی جانا چاہیے.... خیر میں بات کروں گا۔"

"ابا جان! ابھی بات کیوں نہیں کر لیتے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔ محمود اور فرزانہ مسکرانے لگے۔

"خان رحمان کا فون تو پھر آئے گا، انہوں نے کہا تھا کہ ایک دو گھنٹے بعد پھر فون کریں گے۔"

"تو پھر ہم پروفیسر انکل کو فون کر لیتے ہیں۔" فرزانہ نے فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"ضرور کرو..... لیکن خیال رہے.... ایک دو دن تک ابھی کوئی پروگرام نہیں بنایا جا سکے گا۔"

"جی بہتر!" فرزانہ نے کہا اور ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"لو.... آ گیا انکل خان رحمان کا فون۔" فاروق بولا۔

"ضروری نہیں کہ یہ انہی کا فون ہو، یہ پروفیسر انکل کا بھی فون ہو سکتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہونے کو تو یہ تمہارے فرشتوں کا بھی فون ہو سکتا ہے۔" فاروق بولا۔

"غلط کہتے ہو فاروق.... فرشتوں کو بذریعہ فون بات کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی.... وہ تو خود پلک جھپکتے میں ہم تک پہنچ سکتے ہیں اور جو کچھ کہنا ہوتا ہے، کہہ سکتے ہیں.... مثلاً اس دنیا میں کسی کا وقت پورا ہو

گیا ہے.... تو موت کا فرشتہ آکر اس کے کان میں کہہ دیتا ہے....."

"بھئی پہلے فون تو سن لو" انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا، گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔

اور محمود نے جلدی سے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا، فرزانہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"ہیلو.... کون صاحب!" محمود نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"محمود...... یہ تم ہو.... ذرا فون جمشید کو دو" آئی جی صاحب کی آواز سن کر محمود چونک اٹھا۔ اس نے جلدی سے کہا۔

"جی بہتر!" یہ کہہ کر اس نے ریسیور اپنے ابا جان کی طرف بڑھا دیا اور دھیمی آواز میں بولا:

"آئی جی صاحب ہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے ریسیور لیتے ہی کہا:

"یس سر! میرے لیے کیا حکم ہے۔"

"خان بہادر ریاست علی خان کو جانتے ہو؟" آئی جی صاحب نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"خان بہادر ریاست علی خان.... وہ جو مناڈا پیلس میں رہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے بھنویں اچکائیں۔

"بالکل ٹھیک سمجھے.... انہی کی بات کر رہا ہوں۔"

"فرمائیے.... کیا بات ہے۔"

"وہ ایک عجیب سی الجھن میں مبتلا ہو گئے ہیں، مدد کے لیے انہوں نے مجھے فون کیا تھا، میں نے ان سے کہہ دیا کہ میں تمہیں بھیج رہا ہوں...... لہٰذا تم ذرا ان سے جا کر مل لو.... بے شک محمود، فاروق اور فرزانہ کو بھی ساتھ لے جانا۔"

"جی بہتر! لیکن الجھن کیا ہے؟"

"بھئی! تمہیں ان کے پاس تو جانا ہی ہے.... تفصیل ان سے ہی سن لینا۔"

"اچھی بات ہے، میں ابھی جا رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" آئی جی صاحب نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ انسپکٹر جمشید بھی ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑے۔

"خان بہادر ریاست علی خان کسی الجھن میں مبتلا ہو گئے ہیں، لہٰذا مجھے وہاں جانا پڑ گیا ہے۔"

"نام تو بہت بارعب ہے۔" فاروق نے کہا۔

"تم تینوں آرام کرو.... میں ایک دو گھنٹے تک لوٹ آؤں گا، اگر نہ آسکا تو فون کر دوں گا۔"

"لیکن ابا جان۔ ہم بھی ساتھ کیوں نہ چلیں۔" فرزانہ نے بے قرار ہو کر کہا۔

"ضرورت پڑی تو تمہیں بھی بلا لوں گا۔" وہ بولے۔

تو ساتھ ہی لے چلیے نا.... یہاں ہمیں کوئی کام تو کرنا نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے..... تم بھی چلو۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"آپ مسکرا کیوں رہے ہیں۔" فرزانہ نے انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔

"اس لیے کہ آئی جی صاحب نے پہلے ہی تمہارے بارے میں کہہ دیا تھا کہ چاہوں تو تمہیں بھی ساتھ لے جا سکتا ہوں۔"

"دیکھ لیجیے..... سب لوگ ہمیں بھی مہم پر ساتھ دیکھنا پسند کرتے ہیں۔" فاروق نے شریر لہجے میں کہا۔

"ہاں! دیکھ رہا ہوں.... بہت پر پرزے نکال لیے ہیں تم نے۔" انسپکٹر جمشید نے چہرے پر مصنوعی جھلاہٹ کے آثار طاری کرتے ہوئے کہا، پھر بولے:

"اچھا! اب چلنے کی تیاری کرو، میں تمہیں صرف آدھ گھنٹہ دیتا ہوں۔"

"شکریہ! یہ کافی وقت ہے، ضرورت پڑی تو ہم ایک دوسرے سے ادھار لے کر کام چلا لیں گے۔" فاروق نے کہا۔

"تمہاری بات کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔" فرزانہ بولی۔

"میری باتوں کا مطلب ذرا کم عقلوں کو مشکل سے ہی سمجھ میں آیا کرتا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"باتیں بند.... کام شروع.... اگر اب تم تینوں نے تیار ہونے سے

پہلے منہ سے کوئی لفظ نکالا تو بُری طرح پیش آؤں گا۔" انسپکٹر جمشید نے درشت لہجے میں کہا۔

اور وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ آدھ گھنٹے بعد صحن میں آئے تو انسپکٹر جمشید اسی کرسی پر بالکل تیار بیٹھے تھے۔

"ابا جان! یہ فن تو ہمیں بھی سکھا دیجیے۔" محمود نے حیرت بھری آواز میں کہا۔

"کونسا فن؟" انہوں نے بھی حیران ہو کر پوچھا۔

"یہی.... کرسی پر بیٹھے بیٹھے تیار ہونے کا فن۔"

"ارے نہیں بھئی! مجھے بھی تیار ہونے کے لیے اندر جانا پڑا تھا، یہ اور بات ہے کہ میں تیار ہونے کے سلسلے میں تمہاری طرح چوچلے نہیں کرتا۔" وہ ہنس کر بولے۔

جیپ میں بیٹھ کر وہ مناڈا پیلس پہنچے۔ یہ ایک بہت شاندار عمارت تھی اور اس کی شہرت سارے ملک میں تھی، خان بہادر کا شمار بھی بہت بڑے لوگوں میں ہوتا تھا.... انگریزوں کے زمانے میں ان کے والد کو بہت بڑی جاگیر عطا کی گئی تھی.... اس سے پہلے وہ اس جاگیر میں اپنی آبائی حویلی میں رہتے تھے، لیکن جب سے مناڈا پیلس تیار ہوا تھا، انہوں نے حویلی کی سکونت ترک کر دی تھی اور مناڈا پیلس میں آ بسے تھے..... یہ عمارت انہوں نے اپنے والد کے زمانے میں بنانے کا خواب دیکھا تھا، لیکن بڑے خان بہادر نے یہ کہہ کر انہیں جھڑک دیا تھا کہ اتنی بڑی حویلی

کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی کوٹھی کی کیا ضرورت ہے..... ہمارے لیے
تو یہ بھی بہت کافی ہے.... لیکن خان بہادر ریاست علی خان کو وہ
پرانی حویلی پسند نہیں تھی، چنانچہ انہوں نے کوٹھی کے لیے ایک الگ
تھلگ مقام پسند کیا، زمین خریدی.... زمین کا ٹکڑا چوکور تھا، لیکن
اس کے ایک کونے پر ایک بوڑھی عورت کا کچا گھر تھا.... خان بہادر
صاحب نے سوچا، ان کی کوٹھی کی دیوار کے ساتھ یہ کچا سا گھر تو بہت
برا معلوم ہوگا اور ساری کوٹھی کا حسن غارت ہو جائے گا، چنانچہ انہوں
نے بڑھیا سے زمین کا وہ ٹکڑا خرید لیا.... بڑھیا اپنے مکان سے نکل
کر کہیں چلی گئی اور اس طرح خان بہادر مناڈا پیلس تعمیر کرانے میں
کامیاب ہوئے، اب ان کے پاس بے شمار زمین تھی، اس پر شاندار
فصلیں لہلہاتی تھیں اور ان سے لاکھوں روپے کی آمدنی ہوتی تھی۔ اس
آمدنی کو وہ پانی کی طرح خرچ کرتے تھے، آئے دن دوستوں کی دعوتیں کیا
کرتے تھے، شکار کا پروگرام بنایا کرتے تھے۔

محمود نے آگے بڑھ کر دروازے پر لگی گھنٹی کا بٹن دبایا، دور
کہیں گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی..... اور پھر تقریباً دو منٹ بعد
دروازہ کھلا۔ ایک باوردی ملازم کی صورت انہیں نظر آئی۔ اس نے
سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا:

"جی فرمائیے، آپ کو کس سے ملنا ہے۔"

"خان بہادر سے۔"

"آپ کا نام۔"

انہوں نے اپنا کارڈ نکال کر دے دیا۔ ملازم نے انہیں دروازے
کے ساتھ ہی ایک چھوٹے کمرے میں بٹھایا اور پھر اندر چلا گیا۔ تھوڑی
دیر بعد اس کی واپسی ہوئی:

"تشریف لے آئیے جناب۔" اس نے کہا اور انہیں لے کر ڈرائنگ روم
میں آیا۔ ڈرائنگ روم کی ہر چیز قیمتی تھی۔ ہر چیز سے امارت ظاہر ہو
رہی تھی۔ کرسیاں اور میزیں ہاتھی دانت کی تھیں، سجاوٹ کے لیے جو چیزیں
رکھی گئی تھیں، ان میں سونے اور چاندی کی بھی تھیں.... صوفے ایسے
تھے کہ آدمی ان پر بیٹھے تو اندر دھنستا چلا جائے۔

وہ ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگا، ملازم جا چکا تھا.... وقت
آہستہ آہستہ گزرتا چلا گیا اور پھر انسپکٹر جمشید کو الجھن ہونے لگی۔ انہیں
اس طرح وقت ضائع کرنا پسند نہیں تھا، تقریباً پندرہ منٹ کے جان لیوا
انتظار کے بعد کہیں جا کر قدموں کی چاپ سنائی دی اور ایک لمبے چوڑے
قد کا بڑی بڑی مونچھوں والا جوان سا آدمی اندر داخل ہوا، اس کی آنکھیں
بالکل انگریزوں جیسی تھیں۔

"میں آپ کا شکر گزار ہوں انسپکٹر جمشید کہ آپ تشریف لائے، شیخ
صاحب کا فون مجھے مل گیا تھا کہ آپ آرہے ہیں، اوہو.... آپ تو
اپنے بچے بھی ساتھ لائے ہیں۔"

"جی ہاں! یہ تقریباً ہر مہم میں میرے ساتھ ہوتے ہیں.... آپ

"کا مسئلہ کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔
"کچھ دنوں سے ایک عجیب مصیبت میں گھر گیا
ہوں ..... اس کی ابتدا شکار والے دن سے ہوئی، پندرہ
روز پہلے کی بات ہے ایک اپنے اٹھارہ انیس ساتھیوں
کے ساتھ چار جیپوں پر شکار کے لیے نکلا، جیپوں پر
سامان بھی لدا ہوا تھا ..... جنگل میں سے گزر رہے تھے
کہ چار فائر ہوئے، چاروں جیپوں کا ایک ایک ٹائر
بے کار ہو گیا، ہم نے پوزیشنیں سنبھال لیں، لیکن حملہ آور جانے
کہاں چھپے ہوئے تھے، انھوں نے ہمیں نشانے پر لے رکھا تھا، اس لیے
ہمیں بندوقیں پھینکنا پڑیں۔ اور ہمیں پچاس قدم آگے بڑھنے کے لیے کہا
گیا، ہم آگے بڑھ گئے ... اس کے بعد حملہ آوروں میں سے کسی کی طرف
سے نہ کچھ کہا گیا، نہ ان کی آواز سنائی دی ..... آخر ہم واپس پلٹے ....
دیکھا تو جیپوں میں تمام سامان غائب تھا، یہاں تک کہ فالتو ٹائر تک
غائب تھے .... جنگل سے پیدل شہر کی طرف آنا پڑا۔ اس واقعے کی
رپورٹ ہم نے لکھوا دی تھی۔ اس کے بعد مجھے ایک دعوت میں جانا تھا،
میں اپنے اسسٹنٹ وجاہت میر کے ساتھ کار میں بیٹھ کر دعوت والے
گھر کی طرف روانہ ہوا لیکن راستے میں کار خراب ہو گئی، وجاہت

میر نے اس کا انجن کھول کر خرابی دور کرنے کی پوری کوشش کی۔ لیکن
کامیابی نہ ہوئی۔ دعوت والا گھر دوسرے شہر میں تھا اور کار جس جگہ
خراب ہوئی تھی، اس جگہ جلد کسی کار میں لفٹ ملنے کا کوئی امکان نہیں
تھا، خدا خدا کر کے ایک کار آئی، ہم اس میں بیٹھ کر دوسرے شہر
پہنچے، اپنی کار کو وہیں چھوڑ گئے تھے، واپسی پر ایک کار کرائے کی لی،
کار والوں کے ایک مکینک کو ساتھ لیا اور اس جگہ پہنچے جہاں کار کھڑی کر
گئے تھے، لیکن اب وہاں کار نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ ہم نے کار میں
بیٹھ کر سڑک دور دور تک دیکھ ڈالی، لیکن کار کا کوئی پتا نہ چلا، حالانکہ
ہم کار کو لاک کر گئے تھے۔ اس واقعے کی بھی ہم نے رپورٹ لکھوا دی۔
کار ابھی تک نہیں مل سکی .... اب ایک تیسرا واقعہ سنیے .... میں نے اپنے
ملازم کو ایک چیک دے کر بنک بھیجا، وہ بیگ ساتھ لے گیا، کیوں کہ
چیک پچاس ہزار کا تھا۔ چیک کیش کرا کے وہ بنک سے نکلا اور ابھی
ٹیکسی میں بیٹھ ہی رہا تھا کہ کسی نے اس کے ہاتھ سے بیگ چھین لیا۔
وہاں اس وقت بھیڑ کافی تھی، اس نے بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھا،
لیکن کوئی بھی شخص بیگ لیے بھاگتا نظر نہ آیا۔ اس واقعے کی بھی رپورٹ
لکھوا دی گئی۔ پولیس ابھی تک کوئی سراغ نہیں لگا سکی .... نہ جانے یہ
کون شخص ہے جو میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے .... آخر وہ کیا
چاہتا ہے؟" یہاں تک کہہ کر خان بہادر خاموش ہو گئے۔
کمرے میں چند سیکنڈ کے لیے موت کی سی خاموشی طاری ہو گئی۔

انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ سب گہری سوچ میں گم تھے۔ آخر انسپکٹر جمشید کی آواز نے خاموشی کے سینے پر چوٹ لگائی:

"ان سب باتوں سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ جو کوئی بھی ہے، اسے آپ کے پروگراموں کا پتا کس طرح چل جاتا ہے۔"

"اوہ!" خان بہادر کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

کوٹھی کی سیر

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میرے گھر کا کوئی فرد اسے یہ اطلاع دیتا ہے کہ میرا کہاں جانے کا پروگرام ہے، یا کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" خان بہادر نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"جی ہاں! یا تو یہ بات ہے، یا پھر یہ وارداتیں کرنے والا خود آپ کے گھر سے تعلق رکھتا ہے۔ اب آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ کے گھر میں کتنے افراد رہتے ہیں اور وہ کون کون ہیں، اس کے بعد میں ان میں سے ہر ایک سے ملاقات کرنا پسند کروں گا اور انہیں ٹٹولوں گا تاکہ کوئی اندازہ لگا سکوں۔"

"بہت اچھا! اس کوٹھی میں میں اپنی بیگم دو لڑکوں اور ایک لڑکی کے ساتھ رہتا ہوں۔ لڑکوں کے نام فراست علی اور حمایت علی ہیں، لڑکی کا نام جہاں آرا ہے، ان کے علاوہ گھر میں تین ملازم ہیں..... فرمان خان، اکابوس اور رامیس، ان تین ملازموں اور اسسٹنٹ وجاہت میر کے علاوہ یہاں کوئی نہیں رہتا، شکار وغیرہ کا پروگرام بنتا ہے تو اس میں شرکت کے لیے میرے دوست آ جاتے ہیں میرے پاس

"دو کاریں اور چار جیپیں ہیں۔" خان بہادر نے تفصیل بتائی۔

"ہوں! اچھا یہ بتائیے..... آپ سے کسی کی دشمنی تو نہیں؟"

"دشمنی..... جی نہیں..... میرا کوئی دشمن نہیں۔"

"غور کرلیں..... آپ سے کسی کو کوئی شکایت تو نہیں ہے...... باپ دادا کے زمانے سے تو کوئی دشمنی نہیں چلی آ رہی۔"

"خوب غور کر چکا ہوں..... ایسی کوئی بات نہیں۔"

"ہوں! خیر! میں دیکھوں گا کہ کیا چکر ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بہت جلد آپ کے مجرم کو آپ کے سامنے پیش کر دوں گا۔"

"شکریہ! میں یہی چاہتا ہوں۔"

"سب سے پہلے میں پوری کوٹھی اور اس کے اردگرد کا جائزہ لوں گا، پھر ایک ایک آدمی سے بات کروں گا..... اس طرح ہم آپ کے آرام میں تو خلل نہیں ڈالیں گے۔"

"ارے نہیں، بالکل نہیں۔"

"بہت خوب! تب پھر آپ آرام کریں اور ایک آدمی ہمارے ساتھ کر دیں..... ہم اس کی مدد سے کوٹھی دیکھیں گے اور سب سے مل بھی لیں گے۔"

"ٹھیک ہے، میں وجاہت میر کو آپ کے ساتھ کر دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر خان بہادر نے گھنٹی بجائی، وہی ملازم اندر داخل ہوا جس نے ان کے لیے دروازہ کھولا تھا:

"فرمان خان..... وجاہت میر کو بلا لاؤ۔"

"بہت بہتر خان بہادر صاحب!" اس نے با ادب ہو کر کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک خوش شکل اور نوجوان آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس نے ان چاروں پر ایک سی نظر ڈالی اور پھر خان بہادر صاحب کی طرف مڑتے ہوئے بولا:

"مجھے کس لیے یاد فرمایا آپ نے۔"

"ان سے ملو..... یہ انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے ہیں، میرے ساتھ ہونے والی وارداتوں کا سراغ لگانے آئے ہیں۔"

"مشکل ہے جناب!" اس نے منہ اوپر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مشکل ہے اور یہ تم چھت سے باتیں کر رہے ہو یا ہم سے۔" خان بہادر نے برا سا منہ بنایا۔

"آپ سے..... چھت کی طرف تو میرا منہ بس بلاوجہ ہی اٹھ گیا تھا..... میں یہ کہہ رہا تھا کہ ان وارداتوں کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا۔"

"کیا کہتے ہو، کیا تم نے انسپکٹر جمشید کا نام نہیں سنا۔"

"جی..... بہت سنا ہے، لیکن مجھے یہ وارداتیں کرنے والے حضرات کچھ زیادہ ہی ستم ظریف معلوم ہوتے ہیں۔" وجاہت میر بولا۔

"آپ ان کی فکر نہ کریں، ہم ان سے نپٹ لیں گے۔"

"بنط تو جب ہیں گے نا، جب آپ نے انہیں دیکھا ہو..... یا ان سے آپ کا آمنا سامنا ہو جائے، لیکن ابھی تک ہم نے تو ان کی جھلک تک نہیں دیکھی۔"

"آپ فکر نہ کریں، ہمارے اپنے کچھ طریقے ہیں، ہم ان سے کام لے کر مجرموں تک پہنچ جایا کرتے ہیں..... چند دن کے اندر اگر نواب صاحب کو ان کی چیزیں نہ واپس دلا دیں تو جو چور کی سزا وہ میری.....۔" انسپکٹر جمشید نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"آپ اس کی باتوں پر نہ جائیے..... اسے تو عادت ہے، وقت بے وقت اور سوچے سمجھے بغیر بولتے رہنے کی۔" خان بہادر نے جلدی سے کہا پھر وجاہت میر سے بولے۔

"جاؤ، پہلے انہیں کوٹھی دکھاؤ پھر ایک ایک آدمی سے ملاؤ۔"

"جی بہت بہتر خان بہادر صاحب۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے جھک کر کہا۔

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ خان بہادر بھی ان کے ساتھ ہی اٹھے تھے۔ باہر نکل کر وہ اپنے کمرے کی طرف مڑ گئے اور وہ وجاہت میر کے ساتھ کوٹھی کی سیر کے لیے روانہ ہوئے۔ کوٹھی دس کمروں پر مشتمل تھی۔ ہر کمرے کے ساتھ غسل خانہ تھا۔ ملازموں کے لیے سرونٹ کوارٹر کوٹھی کے پچھلے حصے میں تھے۔ وجاہت میر البتہ کوٹھی کے اندر ہی ایک کمرے میں رہتا تھا کوٹھی کے چاروں طرف ایک اونچی دیوار تھی اور اس دیوار اور کوٹھی کے درمیان پودے اور درخت لگے تھے، گویا پوری کوٹھی کو باغ نے گھیر رکھا تھا۔

سیر سے فارغ ہونے کے بعد انسپکٹر جمشید نے سب سے پہلے فرمان خان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ فرمان خان انہیں باورچی خانے میں ملا، وہ باورچی تھا۔ کاؤس ڈرائیور تھا اور رامیس مالی۔ فرمان خان شام کا کھانا تیار کرنے میں مصروف تھا، ان لوگوں کو باورچی خانے میں دیکھ کر اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوئے۔

"تو آپ کا نام فرمان خان ہے..... یہاں ملازمت کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا ہے۔"

"تقریباً دس سال۔" اس نے کہا۔

"خان بہادر صاحب کے کسی پروگرام کے بارے میں آپ سے کسی نے کچھ پوچھا تو نہیں ان دنوں۔"

"جی..... بالکل نہیں۔"

انسپکٹر جمشید بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے رہے تھے انہیں محسوس ہوا۔ وہ سچ بول رہا ہے۔

"گھر کے باقی دو ملازموں میں سے کسی کو کسی مشکوک آدمی سے بات چیت کرتے تو نہیں دیکھا۔"

"جی نہیں!" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"بہت اچھا، خان بہادر صاحب کے ساتھ جو تین عدد وارداتیں ہوئی ہیں، ان کے بارے میں آپ کو معلوم ہے نا۔"

"جی ہاں، بہت اچھی طرح۔"

"ان کے بارے میں کیا خیال ہے..... خان بہادر صاحب کے پروگراموں کا آخر کسی کو کس طرح پتا چل جاتا ہے۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں جناب!"

"اچھا کابوس اور رامیس کے بارے میں کیا خیال ہے، یہ دونوں کیسے آدمی ہیں، کیا گھر کی خبریں کسی تک پہنچانے کا کام ان میں سے کوئی کر سکتا ہے۔"

"جی نہیں! یہ دونوں بہت ایماندار ہیں۔"

"اچھی بات ہے، اگر کوئی بات دیکھیں یا محسوس کریں تو مجھے اطلاع دیجیے گا۔"

"جی بہت اچھا۔" اس نے کہا اور وہ باورچی خانے سے باہر نکل آئے۔

"کیا خیال ہے ابا جان! یہ شخص جھوٹ تو نہیں بول رہا تھا۔" فرزانہ نے سوال کیا۔

"نہیں! مجھے تو یہ ہر لحاظ سے ایماندار نظر آیا ہے، چلیے جناب میر صاحب.... اب ذرا کابوس سے دو باتیں ہو جائیں۔"

"عجیب سا نام ہے کابوس۔" فاروق بولا۔

"یہ عیسائی ہے.... اور رامیس بھی۔"

"معلوم ہوتا ہے، خان بہادر کو عیسائیوں سے خاص لگاؤ ہے۔" محمود نے وجاہت میر کی طرف دیکھا۔

"جی نہیں.... ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

کابوس انہیں اپنے کمرے میں ملا۔ وہ سگریٹ پی رہا تھا اور کسی گہری سوچ میں گم دکھائی دیتا تھا۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ ان کے قدموں کی چاپ اس نے اس وقت سنی جب وہ عین اس کے دروازے پر پہنچ گئے۔

"مسٹر کابوس! آپ کسی سوچ میں گم ہیں۔"

"جی!" وہ چونک کر کھڑا ہو گیا۔

"اس گھر کے بارے میں معلومات آپ سے کون حاصل کرتا رہا ہے۔" فاروق نے اس پر فوری حملہ کیا۔

"جی.... کیا مطلب۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"تو وہ آپ ہی ہیں جو خان بہادر کے پروگراموں کے بارے میں کسی کو بتاتے رہے ہیں..... آپ آخر خان بہادر صاحب کے ڈرائیور ہیں۔ آپ کو تو ان کے پروگراموں کے بارے میں پہلے سے معلوم ہو جاتا ہوگا، لہذا آپ کے علاوہ اور کون ہے جو مخبری کر سکے۔" انسپکٹر جمشید اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے۔

"یہ.... یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔" اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"نواب صاحب کو جن تین وارداتوں کا سامنا کرنا پڑا، آپ کو

ان کے بارے میں تو اچھی طرح معلوم ہو گا، کیونکہ آپ ڈرائیور ہیں
خان بہادر صاحب کے ساتھ ہی ہوتے ہیں۔"

"جی ہاں! یہ ٹھیک ہے۔" اس نے کہا۔

"تب، پھر ضرور آپ نے ہی کسی کو یہ بتایا تھا کہ فلاں تاریخ کو
خان بہادر شکار کے لیے نکلیں گے، فلاں تاریخ کو انہیں ایک دعوت
میں شرکت کے لیے دوسرے شہر جانا ہے اور فلاں تاریخ کو انہیں
بنک سے رقم نکلوانی ہے.... آپ کے علاوہ یہ باتیں کسی دوسرے کو کون
بتا سکتا ہے۔"

"جی..... یہ کیوں نہیں سکتے.... مسٹر وجاہت میر بھی تو بتا سکتے ہیں
یہ خان بہادر صاحب کے اسسٹنٹ ہیں انہیں ان کے پروگرام کا مجھ سے
بھی پہلے علم ہوتا ہے۔" کاوس نے بے دھڑک ہو کر کہا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ ان کے چہرے وجاہت میر
کی طرف مڑ گئے۔ انہوں نے دیکھا، وجاہت میر کا رنگ اڑتا جا
رہا تھا۔

○

"یہ.... یہ.... غلط ہے..... میں خان بہادر صاحب کا بہت پرانا
نمک خوار ہوں۔ ان کے کسی پروگرام کے بارے میں کسی کو بھی کچھ
نہیں بتا سکتا۔"

"خیر، بتا سکتے ہیں یا نہیں، اسے چھوڑیے، یہ بات تو درست ہے نا
کہ خان بہادر صاحب کے ہر پروگرام کا علم آپ کو باقی ملازموں سے
پہلے ہوتا ہے۔"

"ج.... جی ہاں..... یہ ٹھیک ہے۔" اس نے ہکلا کر کہا۔

"آپ کو یہاں کام کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا ہے۔"

"تقریباً تین سال۔"

"اور مسٹر کاوس! آپ کتنے عرصے کے ملازم ہیں۔"

"مجھے چھ سال ہو گئے ہیں۔"

"گویا آپ پرانے ملازم ہیں اور مسٹر وجاہت میر آپ کی نسبت
کم پرانے، میر صاحب! آپ پہلے کہاں کام کرتے تھے۔"

"میرا اپنا کاروبار تھا، لیکن اس میں نقصان ہو گیا اور مجھے
ملازمت کی تلاش میں در در پھرنا پڑا، انہی دنوں خان بہادر صاحب
کی طرف سے اسسٹنٹ کی ملازمت کا اشتہار نظر سے گزرا، میں نے
یہاں قسمت آزمائی کی اور مجھے ملازمت مل گئی، اس دن سے میں
خان بہادر صاحب کے ساتھ ہوں۔" وجاہت میر بتاتا چلا گیا۔

"ہوں! اچھا خیر..... آئیے..... ذرا رامیس سے بھی مل لیں۔"

وہ وہاں سے نکل کر رامیس کے کوارٹر میں داخل ہوئے۔ انہوں
نے دیکھا، رامیس سر کے بل کھڑا تھا۔ وہ حیرت زدہ سے اسے دیکھتے
رہے۔ آخر وجاہت میر سے رہا نہ گیا:

"رامیں! یہ کیا حرکت ہے"

"ارے باپ رے" رامیں کے منہ سے بوکھلاہٹ زدہ انداز میں نکلا اور وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"یہ کیا کر رہے تھے؟"

"ورزش...... میں شام کے وقت سر کے بل کھڑا ہو کر ورزش کرتا ہوں...... اس سے دوران خون تیز ہوتا ہے اور دماغ پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے" اس نے کہا۔

"یہ حضرات تم سے کچھ سوالات کرنے آئے ہیں"

"کیسے سوالات میر صاحب؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"خان بہادر صاحب کے ساتھ ہونے والی وارداتوں کے سلسلے میں۔" وجاہت میر نے بتایا۔

"بھلا میں ان کے بارے میں کیا بتا سکتا ہوں"

"کسی نے آپ سے نواب صاحب کے پروگراموں کے بارے میں تو نہیں پوچھا تھا" انسپکٹر جمشید نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جناب! میں مالی ہوں.... مجھے خان بہادر صاحب کے پروگراموں کے بارے میں معلوم ہی نہیں ہوتا تو کسی کو کیا بتاؤں گا"

"ہاں جناب! یہ ٹھیک کہہ رہا ہے"

"لیکن یہ آپ کی اور خان بہادر صاحب کی گفتگو چوری چھپے سن تو سکتے ہیں" انسپکٹر جمشید نے اعتراض کیا۔

"ہوں! خیر آپ اس سے جو پوچھنا ہے، پوچھ لیں"

"تمہیں یہاں کام کرتے کتنا عرصہ گزرا"

"پندرہ سال" اس نے کہا۔

"پندرہ سال سے تم اس کوٹھی میں کام کر رہے ہو؟"

"جی نہیں، خان بہادر صاحب پہلے اپنی حویلی میں رہتے تھے۔ یہ کوٹھی تو ابھی چند سال پہلے انہوں نے بنوائی ہے"

"خان بہادر صاحب کے کسی دشمن کے بارے میں کچھ جانتے ہیں؟"

"جی.... ان کا تو سرے سے کوئی دشمن ہے ہی نہیں.."

"ہوں! اچھا تم اپنی ورزش جاری رکھو" انسپکٹر جمشید بولے اور پھر وہ اس کے کمرے سے باہر نکل آئے۔ ابھی تک انہیں کوئی کام کی بات معلوم نہیں ہوئی تھی۔

"اب ہم کیا کریں؟" ان کے لہجے میں تھکن تھی۔

"ابھی خان بہادر صاحب اور ان کی بیگم باقی ہیں، کیا آپ ان سے کوئی سوالات نہیں کریں گے" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں! ان سے بھی کریں گے اور ان کے بچوں سے بھی سوالات کریں گے، تمہیں وہ جرابوں والا کیس تو یاد ہو گا" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں یاد ہے.... آپ کا خیال ٹھیک ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے"

کہ تینوں بچوں نے مل کر کوئی چکر چلایا ہو، تینوں بچوں کو
تم تینوں خود ہی نمٹو لو جا کر...... میں ذرا خان بہادر
صاحب اور ان کی بیگم سے مل آتا ہوں۔"

"جی بہتر!" تینوں نے ایک ساتھ کہا اور وجاہت میر کی
طرف مڑے:

"کیا آپ ان تینوں کے کمرے تک ہماری رہنمائی کریں گے؟"

"ہم..... معاف کیجیے گا..... ایک وقت میں میں یا آپ کی رہنمائی
کر سکتا ہوں یا پھر انسپکٹر صاحب کی۔"

"اب ان کی رہنمائی کرنے کی کیا ضرورت..... خان بہادر صاحب
کا کمرہ تو یہ دیکھ ہی چکے ہیں۔"

"جی نہیں! آپ لوگوں نے ان سے ڈرائنگ روم میں ملاقات
کی تھی۔"

"اوہ ہاں..... واقعی، یہ تو ہم بھول ہی گئے، خیر..... ابا جان ان
کے کمرے تک پہنچ جائیں گے، آپ ہمارے ساتھ چلیے۔"

"چلیے جائیے، میر صاحب..... ان کے ساتھ ہی چلے جائیے۔"

"بہت اچھا!" اس نے کہا اور ان کے ساتھ ہو لیا۔ ایک کمرے
کے دروازے پر رک کر اس نے کہا۔

"یہ کمرہ فراست علی صاحب کا ہے۔"

محمود نے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کوئی ایک
منٹ بعد کھلا۔ فراست علی کے چہرے پر کسی قدر گھبراہٹ کے آثار تھے:

"فف..... فرمائیے۔" اس کے منہ سے نکلا اور انہوں نے فوراً جان
لیا کہ وہ بند کمرے میں بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا، کمرے میں سگریٹ
کی بو رچی ہوئی تھی، لیکن سگریٹ یا سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر کہیں
نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ اندر داخل ہونے کے بعد کرسیوں پر بیٹھ گئے۔
چند لمحے تک ادھر ادھر دیکھا کیے۔

"آپ سگریٹ تو نہیں پیتے؟" فاروق نے ایک دم پوچھا۔

"جی نہیں! ڈیڈی سگریٹ کے سخت خلاف ہیں، اسی لیے ہم ہاتھ
بھی نہیں لگاتے۔"

"ان تین وارداتوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟" محمود نے
سوال کیا۔

"کون سی تین وارداتیں؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"وہی جو آپ کے ڈیڈی کو پیش آئی ہیں۔"

"یہ کسی چالاک ڈاکو یا لٹیرے کا کام ہے۔" اس نے خیال ظاہر کیا۔

"ہوں! کہیں ایسا تو نہیں کہ ان..... وارداتوں کے پیچھے آپ
کا ہاتھ ہو۔" یہ کہتے کہتے فرزانہ نے اس میز کی دراز کھینچ لی جس کے
پاس وہ بیٹھی تھی۔ اس نے دیکھا، دراز میں سگریٹ کا پیکٹ اور
لائٹر موجود تھے۔ اس نے دراز بند کر دی۔

"بھلا ہمیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت؟" اس نے برا مان کر کہا۔

"ابھی ہم نے ضرورت کے بارے میں نہیں سوچا، اس پر بھی غور

کریں گے۔"

چند لمحوں بعد وہ ہدایت علی کے کمرے کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ اس کا دروازہ تقریباً دو منٹ بعد کھلا۔ ہدایت علی کے بال بکھرے ہوئے تھے، آنکھوں میں پریشانی تیر رہی تھی، دروازے کے بالکل سامنے ایک کھڑکی کھلی ہوئی تھی جس میں سرد ہوا اندر آ رہی تھی.... انہیں حیرت ہوئی کہ سردی کے موسم میں ہدایت علی کو کھڑکی کھولنے کی کیا ضرورت تھی اور پھر کھڑکی میں سلاخیں بھی نہیں تھیں۔

فرزانہ نے کچھ سوچا اور پھر تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے کھڑکی تک پہنچ گئی، اس نے دیکھا، کھڑکی باغ میں کھلتی تھی۔ باغ میں سے کوئی تیزی سے نکل کر باہر کا رُخ کر رہا تھا۔

"مسٹر ہدایت.... آپ کے کمرے میں کون تھا؟"

"کوئی بھی نہیں.... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"لیکن میں نے ابھی ابھی کسی کو باغ میں سے بھاگ کر باہر جاتے دیکھا ہے۔"

"تو پھر شاید کوئی چور اندر گھسنے کی کوشش کر رہا ہو گا.... آپ کو معلوم ہی ہے، آج کل ڈکیتی کے ساتھ

عجیب و غریب واقعات پیش آ رہے ہیں۔" اس نے جلدی سے سے کہا۔

"اچھی طرح معلوم ہے اور ان وارداتوں کا کھوج لگانے کے لیے ہی ہم یہاں آئے ہیں، لیکن آپ ہمارے ساتھ تعاون نہیں کر رہے..... کیا وہ شخص تھوڑی دیر پہلے آپ کے کمرے میں موجود نہیں تھا۔"

"نہیں!" اس نے زور سے نفی میں سر ہلایا۔

اسی وقت محمود کی نظریں میز پر رکھے دو گلاسوں پر جم گئیں۔ ان گلاسوں کے نچلے حصے میں پینے کی کسی چیز کے چند قطرے موجود تھے۔ غیر ارادی طور پر اس نے ایک گلاس کے قریب ناک لے جا کر سونگھا.... اور پھر اس کے ہونٹ نفرت سے سکڑ گئے.....

"تو آپ شراب پیتے ہیں۔"

"یہ غلط ہے۔" وہ چلا اٹھا۔ اسی وقت فرزانہ نے کھڑکی کے ساتھ والی الماری کے پٹ ایک جھٹکے سے کھول دیے.... دوسرا لمحہ چونکا دینے والا تھا۔

الماری میں تاش کے پتے بکھرے پڑے تھے اور بے شمار مڑے تڑے نوٹ بکھرے ہوئے تھے اور شراب کی تین بوتلیں بھی موجود تھیں جن میں سے ایک آدھی بھری ہوئی تھی۔

دھمکی

"تو آپ نہ صرف شراب پیتے ہیں، بلکہ جوا بھی کھیلتے ہیں۔" محمود نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں! یہ سچ ہے، غلط صحبت میں رہنے کی وجہ سے مجھ میں یہ دو عیب پیدا ہو گئے ہیں، لیکن آج تک ڈیڈی کو اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا، میں تم لوگوں سے درخواست کرتا ہوں کہ انہیں کچھ نہ بتائیں، ورنہ وہ میری کھال ادھیڑ دیں گے۔" اس نے تھر تھر کانپتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے، ان تینوں وارداتوں میں صرف آپ کا ہاتھ ہے .... کیونکہ جوئے اور شراب کے لیے تو بے حساب دولت پاس ہونی چاہیے اور اتنے پیسے آپ کو اپنے ڈیڈی سے ملتے نہیں ہوں گے۔"

"نہیں نہیں! یہ بات درست نہیں، ہمیں ہر ماہ بہت کافی جیب خرچ ملتا ہے ....." اس نے چلا کر کہا۔

"لیکن جوئے کے لیے جیب خرچ کافی نہیں ہو سکتا۔" فاروق بولا

"نہیں! میرے لیے وہ بہت کافی ہوتا ہے، میں ہر مرتبہ ہارتا ہی نہیں، جیتتا بھی ہوں۔"

"خیر! اگر ان وارداتوں میں آپ کا ہاتھ ثابت نہ ہوا تو ہم اس شرط پر خان بہادر صاحب کو کچھ نہیں بتائیں گے، اگر آپ ان دونوں بری عادتوں سے توبہ کر لیں۔"

"ٹھ ٹھ .... ٹھیک ہے .... م .... میں وعدہ کرتا ہوں۔" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

ہدایت علی کے کمرے سے نکل کر وہ جہاں آرا خان کے کمرے کے دروازے پر پہنچے۔ وجاہت میر نے دروازے پر دستک دی ..... دروازہ فوراً ہی کھل گیا اور ایک چہکتی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"میں جانتی تھی، آپ مجھ سے بھی پوچھ گچھ کرنے آئیں گے ...... اس لیے میں پہلے ہی تیار بیٹھی تھی۔"

انہوں نے دیکھا ... ایک اٹھارہ انیس سال کی نیلی آنکھوں والی لڑکی ان کے سامنے کھڑی تھی .... وہ ذرا موٹے جسم کی تھی اور چونکہ قد بھی چھوٹا تھا، اس لیے گول مٹول سی نظر آتی تھی۔ رنگ سرخ اور سفید تھا۔ چہرے پر تازگی تھی۔

"آپ کو کس طرح معلوم ہو گیا کہ ہم آپ سے پوچھ گچھ کرنے کے لیے آنے والے ہیں۔" محمود نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں آپ لوگوں کو اپنے بھائیوں کے کمروں میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ چکی ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"بہت خوب! آپ تو پوری جاسوس ہیں۔" فرزانہ نے طنزیہ لہجے میں کہا اور پورے کمرے کو بغور دیکھنے لگی۔ محمود اور فاروق بھی کمرے کا جائزہ لے رہے تھے۔ کمرے کی ہر چیز ضرورت سے زیادہ قیمتی تھی اور بے تحاشہ فضول خرچی کی گئی تھی، جہاں آرا خان کے بازوؤں میں سونے کی چوڑیاں تھیں۔ جن میں ہیرے بھی جڑے ہوئے تھے۔ اس کی انگلیوں میں بھی ہیرے کی انگوٹھیاں تھیں.... یہ انگوٹھیاں بے انتہا خوبصورت تھی۔ ان میں سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں، اس نے کانوں میں بھی ہیرے کے ٹاپس تھے۔ سر کے بالوں میں ایک جڑاؤ کلپ لگا ہوا تھا، کپڑے بھی شاہانہ قسم کے تھے۔

"معلوم ہوتا ہے، آپ سونے اور ہیرے جواہرات کی بہت شوقین ہیں۔"

"آپ کا خیال ٹھیک ہے۔" اس نے فرزانہ کی طرف طنزیہ انداز میں مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا، کیونکہ اس کا لباس حد درجے سادہ تھا اور کسی بھی قسم کا کوئی زیور پہنے ہوئے نہیں تھی۔

"کیا یہ زیورات آپ کو خان بہادر صاحب خرید کر دیتے ہیں۔"

"نہیں! میں اپنے جیب خرچ سے خریدتی ہوں۔"

"اور کیا آپ کو اس حد تک جیب خرچ ملتا ہے کہ آپ ہیرے کے

زیورات بھی خرید لیتے ہیں۔"

"مجھے جب ضرورت پڑتی ہے، میں ڈیڈی سے رقم لے لیتی ہوں.... ڈیڈی انکار نہیں کرتے۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ نے اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے کسی کے ذریعے یہ وارداتیں کرائی ہوں۔" محمود نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"یہ غلط ہے.... میرے ڈیڈی نے آپ لوگوں کو وارداتوں کا سراغ لگانے کے لیے بلایا ہے، اس لیے نہیں کہ آپ ہم پر ہی الزام تراشی شروع کر دیں۔"

"تو پھر آپ کے خیالات میں یہ وارداتیں کون کر رہا ہے، کیونکہ جب تک گھر کا کوئی فرد کسی کو یہ نہ بتا دے کہ خان بہادر صاحب کا کیا پروگرام ہے، اس وقت تک ایسی وارداتیں نہیں کی جا سکتیں۔"

"میں کیا جانوں کہ مجرموں کو کس طرح اطلاع ملتی ہے۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

وہ مایوس ہو کر اس کے کمرے سے بھی نکل آئے۔ انہوں نے دیکھا، انسپکٹر جمشید بھی دوسری طرف سے چلے آ رہے تھے۔

"کیوں بھئی.... کیا رہا، کوئی کام کی بات معلوم ہوئی۔"

"کچھ کہہ نہیں سکتے.... تینوں بہن بھائی عجیب عادات کے مالک ہیں اور مجھے تو ان تینوں پر ہی شک ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"کیسی عادات؟" وہ بولے۔ محمود نے پوری تفصیل سنا دی۔ پھر بولا:
"خان بہادر اور بیگم خان بہادر سے ملاقات کرنے کے بعد آپ کس نتیجے پر پہنچے؟"
"اس پر کہ ان وارداتوں سے ان کا تعلق معلوم نہیں ہوتا، تاہم ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"
"ہوں..... کیس کافی الجھا ہوا ہے، ابھی تک ہمیں کوئی کام کا سراغ نہیں مل سکا..... اب ہم کیا کریں؟"
"میں نے آج کا دن اور رات یہاں گزارنے کا فیصلہ کیا ہے..... خان بہادر صاحب نے ہمارے لیے دو کمرے درست کرنے کا حکم دے دیا ہے..... ایک میں میں اکیلا رہوں گا اور دوسرے میں تم تینوں..... ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ کوئی گہرا چکر ہو۔"
"ٹھیک ہے..... ہم اپنے کان اور آنکھیں کھلی رکھیں گے۔"
تھوڑی دیر بعد وہ اپنے اپنے کمرے میں آرام کی نیت سے داخل ہو رہے تھے۔
"کیس سے زیادہ مجھے یہ ایک اونٹ نظر آتا ہے....." فاروق نے منہ بناتے ہوئے کہا۔
"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تمہیں اونٹ ہی نظر آ رہا ہے..... اگر ہاتھی بھی نظر آتا تو ہم کیا کر لیتے؟" فرزانہ نے بھی منہ بنایا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم کسی....."
محمود کے الفاظ درمیان میں رہ گئے..... کوٹھی کے صحن میں سے ایک عجیب سی آواز آئی تھی۔ تینوں کے کان کھڑے ہو گئے، اس لیے کہ وہ اس عجیب سی آواز سے بخوبی واقف تھے۔ پھر تینوں ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے اور تینوں..... کمرے سے باہر نکلے۔ عین اس وقت انہوں نے انسپکٹر جمشید کو نکلتے دیکھا.....
"تم نے یہ آواز سنی؟" وہ بولے۔
"جی ہاں! اس آواز کو سن کر ہی ہم باہر نکلے ہیں۔"
وہ صحن میں آ گئے انہوں نے کہا..... خان بہادر کے دروازے کے ایک پٹ میں ایک خنجر پیوست تھا اور اس کی نوک کے نیچے ایک کاغذ بھی تھا۔ وہ تیزی سے خان بہادر کے دروازے کی طرف لپکے۔ عین اس وقت خان بہادر نے دروازہ کھولا اور پھر خنجر پر نظر پڑتے ہی ان کا رنگ سفید پڑ گیا۔ اتنی دیر میں فراست علی، ریاست علی اور جہاں آرا خان بھی اپنے کمروں سے نکل آئے۔

اٹھی۔ اس چیخ نے ملازموں کو بھی دوڑ کر آنے پر مجبور کر دیا۔ انسپکٹر جمشید نے ابھی تک خنجر دروازے میں سے نکالا نہیں تھا..... وہ ہر آنے والے کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہے تھے۔ آخر جب سب وہاں پہنچ گئے تو انہوں نے جیب سے رومال نکالا اور خنجر

کو کھینچ لیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ تہہ کیا ہوا کاغذ کھول رہے تھے۔

انہوں نے کاغذ پر لکھی تحریر پر ایک نظر ڈالی اور پھر آواز سے پڑھنے لگے تاکہ سب سن لیں، الفاظ یہ تھے:

"خان بہادر صاحب! اس دنیا میں ہر ظلم اور زیادتی کا حساب دینا پڑتا ہے..... آپ بھی نہیں بچ سکیں گے۔ آپ خود کو ہر طرح سے محفوظ خیال کرتے ہیں، لیکن اب آپ کا برا وقت آ گیا ہے، بہتر تو یہی ہے کہ آپ اپنے مظالم اور زیادتیوں کا جائزہ لے لیں اور اگر کسی پر آپ نے ظلم ڈھایا ہو، یا کسی سے ناانصافی کی ہو تو اس کی تلافی کر دیں..... اس کا حساب چکا دیں، اسی صورت میں آپ ان پریشانیوں سے بچ سکتے ہیں جنہوں نے آپ کو ان دنوں گھیر رکھا ہے.... ورنہ ان وارداتوں کا دائرہ بڑھتا جائے گا.... یہاں تک کہ آپ اس زندگی سے تنگ آ جائیں گے.... ابھی وقت ہے، ہوش میں آ جائیے، اگر آپ نے ہوش کے ناخن نہ لیے تو میرے ہاتھوں سے آپ کو انسپکٹر جمشید تو کیا،

اس کے فرشتے بھی نہیں بچا سکیں گے۔

فقط

مناٹو"

مناٹو....! ان سب کے منہ سے.... حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"کیا آپ مناٹو نام کے کسی آدمی سے واقف ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"نہیں.... خدا جانے یہ کون ہے۔" خان بہادر نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"کیا آپ نے کچھ عرصہ یا زیادہ عرصہ پہلے کسی پر کوئی ظلم ڈھایا تھا، کسی سے کوئی زیادتی کی تھی؟" انہوں نے پوچھا۔

"بالکل نہیں! میں نے کبھی کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی، کسی پر ظلم نہیں ڈھایا۔" خان بہادر نے پر زور لہجے میں کہا، لیکن انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ نے ان کے لہجے کے کھوکھلے پن کو صاف محسوس کر لیا۔

"دیکھیے، سوچ لیجیے.... شاید کوئی ظلم آپ سے انجانے میں ہو گیا ہو...."

"جی نہیں! خط لکھنے والے نے مجھ پر الزام لگایا ہے، میں نے اپنی زندگی میں کسی کے ساتھ کوئی ظلم نہیں کیا، کسی سے کوئی ناانصافی نہیں کی..... کسی کو دکھ نہیں پہنچایا اور میں ایسا کرنے بھی کیوں

لگا جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے، دولت میں کھیل رہا ہوں،
مجھے کبھی کسی چیز کی کوئی کمی محسوس نہیں ہوئی، ان حالات میں بھلا
مجھے کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی...."

"تب پھر یہ مناٹو کون ہے.... یہ کیوں آپ کے پیچھے پڑ گیا
ہے، آپ کو نقصان پر نقصان کیوں پہنچا دیا ہے۔"

"یہ تو اسی وقت معلوم ہو سکتا ہے، جب آپ اسے گرفتار
کرلیں اور پھر اس سے پوچھیں کہ میں نے کس پر ظلم ڈھایا ہے۔"

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں.... اب اس مناٹو کو گرفتار کرنا
ہی پڑے گا.... خیر آپ فکر نہ کریں، اب اس کے ہاتھ کی تحریر
میرے ہاتھ لگ گئی ہے، میں اس تحریر کو تمام جرائم پیشہ لوگوں
کی تحریروں سے چیک کراؤں گا.... دوسری طرف میں آپ سے
یہ چاہتا ہوں کہ آپ ایک اور پروگرام بنائیں، شکار کا یا کہیں
جانے کا، لیکن پہلے سے کسی کو نہ بتائیں.... یہاں تک کہ گھر کے
کسی فرد کو بھی وقت سے پہلے نہ بتائیں، انہیں بھی اس وقت
معلوم ہو، جب آپ روانہ ہو جائیں.... میں دیکھنا چاہتا ہوں
کہ مناٹو کو اس کے باوجود بھی خبر ہوتی ہے یا نہیں.... اور وہ
کوئی کارروائی کرتا ہے یا نہیں۔"

"بہت اچھا! اگر آپ کہتے ہیں تو میں ایسا ہی کروں گا۔" خان
بہادر ریاست علی خان نے کہا۔

"آپ اپنے اسسٹنٹ وجاہت میر کو بھی کچھ نہیں بتائیں گے۔"
انسپکٹر جمشید وجاہت میر کی طرف دیکھ کر بولے۔

"آپ بے فکر رہیں، کسی کو کچھ معلوم نہیں ہو گا...." انہوں
نے کہا۔

وہ پھر اپنے کمرے میں آ گئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے
کمرے میں داخل ہوتے ہی دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ انسپکٹر جمشید
اپنے کمرے میں داخل ہوئے اور پھر غسل خانے کے راستے ان کے
کمرے میں پہنچ گئے۔

"تمہیں رات کے وقت کوٹھی کی نگرانی کرنی ہے.... میں خطرہ
محسوس کر رہا ہوں۔"

"کیا آپ کے خیال میں ہمارے لیے خطرہ ہے۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"نہیں کسی نہ کسی کے لیے خطرہ ضرور ہے۔"

"تب پھر ہم یہ نگرانی ابھی شروع کر دیتے ہیں۔" محمود بولا۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا، لیکن میرے خیال میں جو کچھ بھی ہو
گا، رات کی تاریکی میں ہو گا۔"

رات کے کھانے کے بعد جب سب لوگ اپنے اپنے کمروں
میں چلے گئے، تو محمود، فاروق اور فرزانہ دبے پاؤں باہر نکل آئے۔

"محمود.... تم کوٹھی کے باہر پہرہ دو گے.... میں کوٹھی کے صحن
میں اندھیرے میں کھڑی ہوں گی اور فاروق کوٹھی کی چھت پر۔" فرزانہ

نے دبی آواز میں کہا۔

"میں چھت پر جا کر کیا کروں گا" فاروق نے منہ بنا کر کہا اور فرزانہ کو گھورنے کی بھی کوشش کی، لیکن چونکہ اندھیرا تھا، اس لیے فرزانہ نے کوئی اثر نہ لیا۔

"اور تم ہمیں ہدایات دینے والی کون ہو، کیا تم بھول گئی ہو کہ بڑا میں ہوں" محمود بھی بول پڑا۔

"اچھا بڑے صاحب .... تم بتا دو، ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"کوٹھی کے باہر تم جاؤ، صحن میں میں ٹھہروں گا اور فاروق ....

.... ہاں فاروق کو تو چھت پر ہی جانا ہوگا" محمود مسکرا کر بولا۔

"لاحول ولاقوۃ .... یہ تم دونوں مجھے چھت پر چڑھانے پر کیوں تل گئے ہو ...."

"بھئی ذرا عقل سے کام لو .... نگرانی کے لیے چھت بہت اہم جگہ ہے .... اوپر سے تم بآسانی یہ دیکھ سکو گے کہ کوئی باہر تو نہیں جاتا۔"

"اچھا بابا .... جاتا ہوں" اس نے پیر پٹخنے کی کوشش کی ہی تھی کہ آواز گونجنے کے خیال سے رک گیا اور پھر سیڑھیوں کی طرف چلا گیا۔

"دیکھو محمود .... تم لڑکے ہو، باہر تم ہی اچھے لگو گے۔"

"مجھے اس کی ذرا پروا نہیں کہ کسی کو اچھا لگتا ہوں یا برا، اللہ تعالیٰ نے جیسی شکل و صورت بنا دی، ٹھیک ہے" محمود بولا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا" فرزانہ تلملا کر بولی۔

"خیر .... تم بھی کیا یاد کرو گی .... لو میں باہر جا رہا ہوں، لیکن ذرا آنکھیں اور کان کھلے رکھنا۔"

"آنکھیں تو اس وقت میری کھلی ہیں اور تم جانتے ہی ہو کہ میرے کان کبھی بند نہیں ہوئے، سوتے میں بھی یہ کھلے ہی رہتے ہیں" فرزانہ نے شوخ لہجے میں کہا۔

"ہاں ہاں جانتا ہوں .... زیادہ باتیں نہ بناؤ" محمود نے کہا اور برے برے منہ بناتا چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد فرزانہ اندھیرے میں دبک کر بیٹھ گئی۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ ادھر فاروق نے چھت کا ایک چکر لگایا اور آسمان کی طرف دیکھا، آسمان پر تارے کھلے تھے ....

"معلوم ہوتا ہے، آج تارے گننا پڑیں گے" یہ کہہ کر اس نے سرد آہ بھری اور پھر جھک کر نیچے دیکھنے لگا، اس نے محمود کو کوٹھی کا چکر لگاتے دیکھا، شرارت جو سوجھی، چھت پر سے ایک کنکر اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا، کنکر نشانے پر بیٹھا، محمود نے بھنا کر اوپر دیکھا اور بھنا کر بولا:

"دھت تیرے کی .... یہ تم نگرانی کر رہے ہو" محمود نے دبی آواز میں کہا۔

"کنکر اس لیے مارا ہے کہ کہیں تمہیں نیند نہ آ دبوچے۔"

"تو پھر ایک کنکر اٹھا کر اپنے سر پر بھی مار لو۔"

"مشورے کا شکریہ! جب نیند آنے لگے گی تو ایسا ہی کروں گا۔"

اس نے مسکرا کر کہا۔

عین اسی وقت انہوں نے فرزانہ کی حیرت بھری آواز سنی، وہ بیرونی دروازے سے سر باہر نکال کر کہہ رہی تھی:

"محمود، فاروق جلد یہاں آؤ۔"

دو نقاب پوش

شہر کی ایک کچی آبادی کی تنگ و تاریک گلی میں ایک سایہ داخل ہوا .... وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ایک چھوٹے سے مکان کے دروازے پر رک گیا، گلی مکمل طور پر اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ رات کے گیارہ بجے آدھی رات کا سماں تھا، دور دور تک کسی انسان کے چلنے پھرنے کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی، کبھی کبھار کوئی کتا ضرور بھونکنے لگتا۔ رات کا سناٹا کتے کی آواز سے پاش پاش ہو جاتا۔

سائے نے پہلے تو دروازے پر ایک ہلکی سی دستک دی، لیکن جب دو منٹ گزرنے پر بھی کسی نے دروازہ نہ کھولا تو اس نے ذرا زور سے دروازہ کھٹکھٹایا ..... اس پر بھی کچھ نہ ہوا تو دروازے پر زور لگایا، دروازہ چرمر ہو کر رہ گیا۔ اب اس نے اپنے کندھے کو دروازے پر دے مارا، دروازہ بہت کمزور تھا، ایک دم کھل گیا، اندر داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کر دیا، گھر پوری طرح تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، اس نے جیب سے ٹارچ نکالی۔ ٹارچ کی روشنی

ایک اور دروازے پر پڑی۔ وہ اس تک پہنچا، یہ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا.... اس نے پٹ کھول ڈالے اور اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا، دائیں طرف کی دیوار کے ساتھ ایک چارپائی بچھی تھی، اس پر کوئی سر سے پاؤں تک چادر اوڑھے سو رہا تھا۔

سائے کا ہاتھ جیب میں رینگ گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔ اس نے بستر پر سوئے ہوئے شخص کا نشانہ لیا اور ٹریگر دباتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس کا پستول خالی ہو گیا، فائروں کی آواز نہیں گونجی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ پستول پر سائیلنسر فٹ تھا۔ پستول خالی کر کے سایا مڑا ہی تھا کہ ایک آواز نے اس کے قدم روک لیے:

"بھئی اتنی بھی کیا جلدی ہے، پہلے اپنی گولیوں کا انجام تو دیکھتے جاؤ۔"

سایا چونک کر مڑا.... عین اسی وقت کمرے میں بلب جل اٹھا۔ سائے نے دیکھا۔ اس نے سامنے ایک نقاب پوش کھڑا تھا.....

دوسری طرف نقاب پوش نے بھی اپنے سامنے کھڑے سائے کو دیکھا، اس نے بھی اپنا چہرہ، ایک سیاہ نقاب میں چھپا رکھا تھا۔

"بہت خوب! ہم دونوں تو ایک ہی روپ میں نکل آئے۔" دوسرے نقاب پوش نے ہنس کر کہا۔

"کون ہو تم؟"

"ارے! تم مجھے نہیں جانتے.... خیر بہت جلد جان جاؤ گے۔ پہلے لحاف الٹ کر دیکھ لو..... اور چونکہ تم اپنا پستول خالی کر چکے ہو، اس لیے مجھ پر تو فائر کر نہیں کر سکو گے، جب کہ میرے ہاتھ میں ایک پورا بھرا ہوا پستول ہے..... اور اتفاق سے اس پر بھی سائیلنسر فٹ ہے۔"

پہلا نقاب پوش حیرت زدہ سا بستر کی طرف بڑھا اور پھر اس نے لحاف الٹ دیا۔ یہ دیکھ کر اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا کہ دو گاؤ تکیے بستر پر اس طرح رکھے گئے تھے کہ لحاف اوڑھانے کے بعد یہی نظر آتا تھا کہ کوئی شخص سو رہا ہے۔

"تم نے دیکھا، تمہارا وار بالکل خالی گیا.... اب تم چپ چاپ اپنے گھر جاؤ، میں نے تمہیں قاتل بننے سے بچا لیا، ورنہ اس وقت تم پھانسی کے حق دار بن چکے تھے.... میرا احسان مانو..... بہت جلد تم سے دن کے اجالے میں بات ہو گی۔"

پہلا نقاب پوش ہکا بکا کھڑا تھا۔ اس کی زبان جیسے گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔

آخر وہ پوش منہ سے کوئی لفظ نکالے بغیر تیزی سے مڑا اور گھر سے باہر نکل گیا۔

○

دونوں تقریباً دوڑتے ہوئے فرزانہ کے پاس پہنچے :

"کیا بات ہے؟"

"وہ .... وہ میں نے ابھی ابھی وجاہت میر کے کمرے کے تالے کے سوراخ سے اندر جھانکا تھا .... وہ اپنے بستر پر نہیں ہے" اس نے ہکلا کر کہا۔

"بستر پر نہیں ہے تو باتھ روم میں ہوگا ، اتنی سی بات کے لیے ہمیں بلانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"لیکن اس کے کمرے کی کھڑکی کھلی پڑی ہے .... جب کہ اتنے سرد موسم میں اسے بند ہونا چاہیے" فرزانہ نے جواب دیا۔

"تو کیا تالے کے سوراخ میں سے کھڑکی بھی نظر آ رہی ہے؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں" اس نے فوراً کہا۔

محمود اور فاروق نے جلدی جلدی تالے کے سوراخ میں جھانکا .... بستر پر واقعی کوئی نہیں تھا ، لحاف الٹا پڑا تھا اور کھڑکی کھلی تھی۔

"کمرے کا دروازہ بند ہے ، آؤ ہم کھڑکی کی طرف سے کمرے میں چلیں" محمود نے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا" فاروق بولا۔

تینوں بیرونی دروازہ کھول کر باہر نکلے اور باغ میں سے ہوتے ہوئے وجاہت میر کے کمرے کی کھڑکی کے نیچے پہنچ گئے۔ سب سے پہلے فاروق دونوں ہاتھوں کے بل اوپر اٹھا اور کمرے میں کود گیا۔ اس کے بعد محمود اور فرزانہ بھی آ گئے۔ کمرے میں زیرو کا بلب جل رہا تھا۔ انہوں نے پورے کمرے کا جائزہ لیا۔ بستر کی چادر پر سلوٹیں موجود تھیں جس کا مطلب یہ تھا کہ وجاہت میر کچھ دیر کے لیے لیٹا ضرور ہے۔ کمرے میں کسی گڑبڑ کے آثار بھی نہیں تھے ، فرش پر وجاہت میر کے چپل بھی نہیں تھے، گویا وہ جہاں بھی گیا تھا ، اپنی مرضی سے گیا تھا ، اسے زبردستی نہیں لے جایا گیا تھا۔

"مجھے تو یہ آدمی شروع سے ہی پراسرار لگ رہا تھا" فرزانہ کی آواز ابھری۔

محمود اس وقت غسل خانہ وغیرہ دیکھ رہا تھا۔ فاروق الماریوں پر نظر ڈال رہا تھا :

"شروع سے پراسرار لگ رہا تھا تو پھر تم نے شروع میں کیوں نہیں بتایا" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"میرا خیال تھا کہ تم نے اپنی عقل سے کام لیتے ہوئے یہ اندازہ لگا لیا ہوگا ، اب مجھے کیا معلوم تھا ، تم اپنی عقل

کو مستقل طور پہ گھاس چرنے کے لیے چھوڑ چکے ہو" فرزانہ جلے کٹے انداز میں بولی۔

"بات دراصل یہ ہے کہ گھاس میں وٹامن بہت ہوتے ہیں" فاروق بولا۔

"سوال یہ ہے کہ یہ میر صاحب گئے کہاں؟"

"ذہن کو الجھانے کی کیا ضرورت ہے، یہیں دھرنا مار کر بیٹھ جاؤ۔ جب وہ واپس آئے گا، پوچھ لیں گے" فاروق بولا۔

"شاید یہی کرنا ہوگا" محمود نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"کابوس نے جب وجاہت میر پہ یہ الزام لگایا تھا کہ اس سے پہلے خان بہادر کے پروگراموں کے بارے میں اسے علم ہوتا ہے تو اس کا رنگ اڑ گیا تھا" فرزانہ نے پُر خیال انداز میں کہا۔

"ہاں! جب کہ اس کا رنگ جم جانا چاہیے تھا" فاروق بولا۔

"تم چپ رہو، سوچنے دو.... آخر یہ چکر کیا ہے، ابا جان نے بھی ہمیں اب تک کچھ نہیں بتایا" فرزانہ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"اور یہ ان کی پرانی عادت ہے، آخر وقت تک کچھ نہیں بتاتے"

"لیکن ان حالات میں تو انہیں ضرور ہمیں سب کچھ بتا دینا چاہیے تھا" فرزانہ بولی۔

"تو آؤ.... ابھی انہیں جگا کر پوچھ لیتے ہیں"

"اتنی بھی کیا جلدی ہے"

"سنو! مجھے ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے" محمود نے چونک کر کہا۔

"یہ کوئی نئی بات نہیں، ہر خیال تمہیں جب بھی آتا ہے ابھی ابھی آتا ہے" فاروق منمنایا۔

"دھت تیرے کی" محمود نے جھلا کر ران پہ ہاتھ مارا۔

"تم اس کی بات سنو ہی نہیں، مجھے بتاؤ، کیا خیال آیا ہے"

"ہمیں ابا جان کے کمرے میں بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیے.... کہیں وہ وجاہت مرزا کے تعاقب میں تو نہیں گئے"

"اوہ ہاں.... آؤ چلیں" فرزانہ بولی۔

"تم دونوں جاؤ، میں یہیں ٹھہروں گا، کیونکہ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ مجھے یہاں پا کر وجاہت میر کے چہرے کا رنگ اڑتا ہے یا جمتا ہے یا پھر ایک رنگ آتا ہے اور دوسرا جاتا ہے"

"آؤ فرزانہ.... یہ تو پڑ گیا رنگوں کے چکر میں"

"یہ دنیا ہی رنگ اور بو کی دنیا ہے۔ میں کیا کروں" فاروق نے مسمی صورت بنا کر کہا۔

محمود اور فاروق جھلائے ہوئے انداز میں کمرے کا دروازہ اندر سے کھول کر باہر نکل گئے۔ فاروق مسکرانے لگا۔ ابھی دو منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ وہ پھر آ موجود ہوئے.... ان کے چہروں پہ حیرت کے آثار تھے۔

"کیوں ... کیا ہوا؟"

"ابا جان ... اپنے کمرے میں نہیں ہیں۔" فرزانہ نے اٹک اٹک کر کہا۔

"یہ تم جملے کو ٹکڑوں میں کیوں تبدیل کر رہی ہو ... ہیں کیا کہا ... ابا جان بھی اپنے بستر پر نہیں ہیں۔" اس نے پہلے بے خیالی میں اور پھر چونک کر کہا۔

"ہاں! شاید وہ وجاہت میر کے تعاقب میں گئے ہیں۔"

"پھر تو ہمیں میر صاحب کے بارے فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، آؤ چلیں، چل کر سوئیں۔" فاروق جلدی سے بولا۔

"سو کیسے سکتے ہیں، ابا جان نے ہمیں نگرانی کرنے کی ہدایت کر رکھی ہے۔" محمود بولا۔

"لیکن اب نگرانی کرنے کے لیے اس کوٹھی میں رہ بھی کیا گیا ہے ... دو آدمی تو پہلے ہی ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر جا چکے ہیں۔"

"تو کیا ہوا، ابھی یہاں خان بہادر صاحب ہیں، ان کے تین بچے اور تین ملازم باقی ہیں۔" محمود نے کہا۔

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ سب بھی اپنے بستروں سے ..."

فاروق کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے اسی وقت کھڑکی کی چوکھٹ پر انہیں دو ہاتھ نظر آئے تھے ... اور پھر وجاہت میر

کا چہرہ نظر آیا، دوسرے ہی لمحے وہ کمرے میں تھا۔ اب اس نے ان تینوں کو دیکھا۔

وہ ٹھٹک کر رک گیا اور ان کی طرف پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا!

"ہیلو مسٹر میر صاحب ... آپ رات کے گیارہ بجے کہاں مٹر گشت کرتے پھر رہے ہیں۔" فاروق طنزیہ انداز میں بولا۔

"بس یونہی ... ذرا مجھے گرمی محسوس ہو رہی تھی، میں نے سوچا، باہر ہی گھوم آؤں۔" وہ بولا۔

"اتنی زبردست سردی میں آپ کو گرمی لگ رہی تھی تو موسم گرما میں آپ کو کیا لگتا ہے۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"بری بات ہے فاروق، بڑوں سے اس لہجے میں بات نہیں کرتے، ہاں تو میر صاحب آپ کو گرمی محسوس ہوئی اور آپ گھومنے نکل گئے ... لیکن ایسی صورت میں جب کہ آپ خان بہادر صاحب کے اسسٹنٹ ہیں، آپ کو کھڑکی کے راستے جانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میں نے سوچا، کہیں میرے دروازہ کھولنے سے دوسروں کی نیند خراب نہ ہو۔" اس نے کہا۔

"آپ ... آپ شاید کچھ چھپا رہے ہیں، بہتر ہو گا کہ صاف صاف

بتا دیں، کیا بات ہے، کہاں گئے تھے؟"

"جو بات تھی، میں نے بتا دی .... اور ہاں آپ میرے کمرے میں کیا کر رہے ہیں، آپ کو کیا حق تھا میرے کمرے میں بغیر اجازت داخل ہونے کا۔" اس کے لہجے میں ناگواری آ گئی۔

"آپ کے کمرے کی کھڑکی کھلی نظر آئی تھی، گھر کے حالات عجیب و غریب ہیں، ہم اسی سلسلے میں یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں، اس لیے ہمارا فرض تھا کہ یہ معلوم کریں، آپ پر کیا بیتی .... کہیں آپ بھی تو خان بہادر صاحب کی طرح کسی حادثے کا شکار .... نہیں ہو گئے۔"

"ہوں .... تو یہ بات تھی، خیر .... اب آپ لوگ جا سکتے ہیں، میں بالکل خیریت سے ہوں .... جی ہاں معاف کیجیے گا۔"

"اچھی بات ہے، ہم آپ کو معاف کرنے کے بارے میں سوچیں گے۔" فاروق نے گویا سچے دل سے کہا، محمود اور فرزانہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

جونہی وہ اس کے کمرے سے نکلے، بیرونی دروازہ ایک دم کھلا، تینوں فوراً اوٹ میں ہو گئے۔ کوئی ایک ایک قدم ٹھہر ٹھہر کر اٹھاتا بڑھا چلا آ رہا تھا۔ ان کے دل دھک دھک کرنے لگے اور پھر اندر داخل ہونے والا سامنے آ گیا۔ اس کے منہ سے نکلا:

"چھپے ہوئے کیوں ہو، سامنے کیوں نہیں آ جاتے۔"

انہوں نے دیکھا، وہ انسپکٹر جمشید تھے۔ چند لمحے تک وہ انہیں ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہے۔ پھر فرزانہ نے پوچھا:

"ابا جان! کیا آپ وجاہت میر کے تعاقب میں گئے تھے۔"

"اوہو .... تو تم نے یہ بات معلوم کر لی ....۔" ان کے لہجے میں قدرے حیرت تھی۔

"جی ہاں! ہم وجاہت میر اور آپ کے کمروں کو خالی دیکھ چکے ہیں۔"

"ہوں .... تم ٹھیک ہی سمجھے ہو۔" وہ مسکرائے۔

"لیکن آخر یہ چکر کیا ہے۔"

"چکر .... چکر شاید اس بار تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔" انہوں نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف قدم اٹھانے لگے۔

نئی واردات

دوسری صبح انسپکٹر جمشید کو دفتر جانا تھا اور انہیں سکول، اس لیے وہ خان بہادر صاحب کو تسلی دے کر رخصت ہوئے، اسی شام خان بہادر کو انسپکٹر جمشید کی تجویز پر عمل کرنا تھا، انہوں نے اپنے شکاری عملے کو رات کے آٹھ بجے تک پہنچ جانے کا حکم دے دیا تھا۔ شکاری عملہ دس آدمیوں پر مشتمل تھا۔ انہوں نے ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"دوستو! کچھ عرصے سے ہماری تقریبات میں رنگ میں بھنگ ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے، کوئی شخص مناٹو نامی میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے۔ امید ہے کہ وہ آج بھی ہمارا راستہ روکے گا اور نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا، اس سے پہلے بھی وہ مجھے ہزاروں روپے کا نقصان پہنچا چکا ہے، لہٰذا قانون کی نظر میں وہ مجرم ہے، ایک قانون کا محافظ اس سلسلے میں ہماری مدد بھی کر رہا ہے، ان حالات میں ہم مناٹو کو منہ توڑ جواب دینے کا حق رکھتے ہیں..... میں چاہتا ہوں..... آج وہ بچ کر نہ جائے.....

فائرنگ کے جواب میں ہم بھی فائرنگ کریں گے اور اسے گھیر کر اپنے نشانے کی زد میں لینے کی کوشش کریں گے، مجھے امید ہے، آپ پوری طرح میرا ساتھ دیں گے..... اگر وہ ہمارے قابو آ گیا تو ہم قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیں گے.... بلکہ اسے قانون کے حوالے کر دیں گے.... کیسے کیا خیال ہے۔" خان بہادر یہاں تک کہہ کر رک گئے، ان کے ساتھیوں میں سے ہر ایک بلند آواز میں چلا اٹھا:

"ہم آپ کے ساتھ ہیں۔"

آدھ گھنٹے بعد شکاریوں کا یہ قافلہ کوٹھی سے چاروں جیپوں پر روانہ ہو رہا تھا.... انسپکٹر جمشید کی ہدایت اگرچہ یہ تھی کہ کسی کو بھی پروگرام کی ہوا نہ لگنے دی جائے، لیکن شاید خان بہادر صاحب جوش کے عالم میں اس پروگرام کو راز میں نہ رکھ سکے.... اور کوٹھی سے یہ لوگ اعلانیہ روانہ ہوئے۔

رات کے وقت عام طور پر خان بہادر کبھی شکار کے لیے نہیں نکلتے تھے، لیکن آج انہوں نے رات کا وقت ہی مقرر کیا تھا..... ان کے پاس بڑی بڑی ٹارچیں بھی تھیں، جن کی مدد سے وہ شکار تلاش کر سکتے تھے۔

جنگل کے کنارے پہنچتے ہی انہوں نے اپنی اپنی بندوقیں لیں..... یہ سب کی سب بھری ہوئی تھیں، خان بہادر

کے ہاتھ میں تو دونالی بندوق تھی ..... شکار پارٹی ایک ایک قدم
اٹھاتی آگے بڑھنے لگی ..... ابھی تک انہوں نے ٹارچیں استعمال نہیں
کی تھیں۔ اچانک ایک جگہ جھاڑیوں میں سرسراہٹ گونجی۔ ان کے
کان کھڑے ہو گئے۔ آناً فاناً میں انہوں نے پوزیشن سنبھال لی،
پھر ٹارچوں کی روشنی جھاڑیوں میں ماری گئی۔ عین اسی وقت چار
فائر ہوئے اور چار ٹارچیں بجھ گئیں، نشانہ ان ٹارچوں کا لیا
لیا گیا تھا۔ شکار پارٹی میں ہل چل مچ گئی ..... الٹے پاؤں بھاگے،
کچھ دور جا کر دم لیا اور پھر خان بہادر کے اشارے پر
ایک دائرے کی صورت میں آگے بڑھنے لگے ..... تاکہ حملہ
آوروں کو گھیر لیا جائے۔ دائرہ کافی پھیلاؤ اختیار کیے ہوئے
تھا۔ غالباً ان کا پروگرام جھاڑیوں کو گھیرے میں لینے کا تھا،
تھوڑی دیر بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے .....

جونہی جھاڑیاں ان کے گھیرے میں آئیں، سب نے ان پر
گولیوں کی باڑھ ماری۔ جنگل گولیوں کی تڑاتڑ سے گونج اٹھا،
جنگلی جانوروں کی چیخوں نے آسمان سر پہ اٹھا لیا، یوں لگا جیسے
قیامت ٹوٹ پڑی ہو، جانوروں کی بھگدڑ کا عجب عالم تھا،
لیکن فائرنگ کے جواب میں انسانی چیخ ایک بھی نہ گونجی۔ یہ دیکھ
کر خان بہادر کو غصہ آ گیا، انہوں نے چیخ کر کہا:

"ایک بار پھر فائر کرو ..... ان لوگوں کو بچ کر نہیں جانا چاہیے۔"

فائر پھر ہوئے، جھاڑیوں پہ چاروں طرف سے گولیاں
برسیں، لیکن چیخ کی آواز پھر بھی نہ سنائی دی ..... عین اس وقت
جنگل میں کچھ آگے جھاڑیاں زور سے ہلیں:

"اوہ! وہ تو شاید ان جھاڑیوں میں ہیں اور ہم گولیاں یہاں
برباد کر رہے ہیں۔" خان بہادر چلائے۔

ان کے ساتھی اب اور آگے بڑھے، انہوں نے چاروں طرف
سے ان جھاڑیوں کو گھیر لیا اور پھر سب سے پہلی گولی خان
بہادر نے چلائی، ساتھ ہی ان کے ساتھیوں نے بھی گولیاں داغیں، جنگل ایک
بار پھر گونج اٹھا۔

پندرہ منٹ کی بھول بھلیوں کے بعد خان بہادر کے آدمی
تقریباً دو فرلانگ جنگل میں آگے بڑھ چکے تھے ..... لیکن انہیں
کوئی کامیابی نہ ہو سکی تھی۔ آخر تھک ہار کر اور مایوس ہو کر وہ
واپس پلٹے۔ مارے جھنجلاہٹ کے ان کا برا حال تھا ..... لیکن
ابھی تو انہیں کچھ اور بھی دیکھنا تھا۔

جیپوں کے ٹائر پھٹ چکے تھے ..... ان کا سامان
غائب تھا اور خان بہادر سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"میں نے آپ سے کہا تھا کہ کسی کو بتائے بغیر پروگرام بنائیں،"

لیکن آپ اعلانیہ گئے۔" دوسری صبح انسپکٹر جمشید ان کے ڈرائنگ روم
میں موجود تھے۔ ان کے ساتھ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی تھے۔
خان بہادر نے پریشان ہو کر ایک بار پھر انسپکٹر جمشید کو بلایا تھا،
آج یوں بھی جمعے کا دن تھا، اس لیے انہیں دفتر نہیں جانا تھا، وہ
فوراً ہی وہاں پہنچ گئے۔

"بس کیا بتاؤں..... مجھ سے یہی غلطی ہوئی۔" خان بہادر بولے۔

"دیکھیے جناب! یہ مناٹو..... جو کوئی بھی ہے، بہت چالاک آدمی
ہے۔ اسے ہم صرف چالاکی سے شکست دے سکتے ہیں، ورنہ یہ قابو
میں نہیں آئے گا..... آپ آج نہایت خاموشی سے بنک سے رقم
نکلوائیں، ذرا دیکھیں تو سہی .... اسے خبر ہوتی ہے یا نہیں، میں
صرف یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ آخر اس مناٹو کے
بچے کو آپ کے پروگراموں کی اطلاع کس طرح ملتی ہے، ایک بار
مجھے اس کا یہ ذریعہ معلوم ہو جائے، پھر دیکھیے میں اسے کتنی جلدی
پکڑتا ہوں۔"

"میں ابھی کسی کو بنک بھیجتا ہوں۔"

"لیکن جسے بھی بھیجیں، خفیہ طور پر بھیجیں، میں اس دوران یہیں
ٹھہروں گا۔"

"اچھی بات ہے۔" انہوں نے کہا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں
چلے گئے۔ انسپکٹر جمشید بھی تینوں کو ساتھ لیے اپنے کمروں کی طرف

بڑھے۔

"میری ہدایت غور سے سنو۔" انہوں نے کہا اور پھر ان کے
کانوں پر جھک گئے۔

دو گھنٹے بعد وہ چاروں خان بہادر کے ساتھ ڈرائنگ روم
میں بیٹھے تھے کہ رامیس اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں
اڑ رہی تھیں۔ خان بہادر اس کی یہ حالت دیکھ کر زور سے چونکے
اور پھر بولے:

"کیا ہوا رامیس..... خیر تو ہے۔"

"جی..... وہ..... رقم کا بیگ....." اس نے ہکلا کر کہا۔

"کیا ہوا رقم کے بیگ کو۔" خان بہادر نے تقریباً چلا کر کہا۔

"وہ..... وہ کسی نے میرے ہاتھ سے چھین لیا، میں بنک سے
نکل ہی رہا تھا کہ بیگ جیسے پر لگا کر میرے ہاتھ سے اڑ گیا۔"

"تم ایک دم گدھے ہو، میں نے تم پر بھروسہ کیا تھا، تم میرے
سب سے پرانے ملازم ہو، اسی لیے میں نے یہ تجربہ تمہیں بھیج کر کیا
تھا، ورنہ میں وجاہت میر کو بھی بھیج سکتا تھا۔"

"لیکن جناب! اس میں میرا کوئی قصور نہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے،
جیسے کسی چھلاوے نے میرے ہاتھ سے بیگ لیا ہو۔" رامیس نے
ڈرے ڈرے لہجے میں کہا۔

"خان بہادر صاحب! اس عزیب پر ناراض ہونے کا کوئی فائدہ نہیں..... وہ جو کوئی بھی ہے، ہماری امیدوں سے بڑھ کر چالاک ہے، ابھی تک میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ اسے پتا کس طرح لگ جاتا ہے۔"

"خیر..... یہ آپ کا کام ہے، اس کا پتا لگائیں اور قانون کے حوالے کریں، میں اب اس سے تنگ آگیا ہوں۔" یہ کہہ کر خان بہادر جھلائے ہوئے انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر بولے:

"آپ لوگ بھی آرام کرلیں، کچھ دیر بعد دوپہر کے کھانے پر ملاقات ہو گی۔"

"بہت بہتر!" انہوں نے کہا۔

خان بہادر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن ابھی ڈرائنگ روم سے نکلے ہی تھے کہ خان بہادر بوکھلائے ہوئے انداز میں آتے نظر آئے:

"انسپکٹر صاحب..... بیڑہ غرق ہو گیا..... وہ..... وہ مجھے لوٹ لے گیا۔"

"کیا مطلب؟" وہ زور سے چونکے۔

"آئیے میرے ساتھ۔" انہوں نے انسپکٹر جمشید کو کلائی سے پکڑتے ہوئے کہا۔

وہ ان کے ساتھ چلتے ان کے کمرے میں داخل ہوئے۔ خان بہادر نے سامنے اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"وہ دیکھئے۔"

انہوں نے دیکھا، خان بہادر کی تجوری کھلی پڑی تھی اور اندر سے بالکل خالی تھی۔

ان کی مسکراہٹ

کمرے میں چند لمحے تک گہرا سکوت طاری رہا۔ آخر انسپکٹر جمشید کی آواز نے خاموشی کے سینے پر چوٹ لگائی۔

"آپ کی تجوری میں کیا کچھ تھا؟"

"میری تجوری میں نقدی بے شک زیادہ نہیں تھی، لیکن جہاں تک ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کے زیورات کا تعلق ہے، وہ بہت بڑی مقدار میں تھے، کم از کم دس لاکھ کے تو ضرور رہے ہوں گے" خان بہادر نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"اوہ!" محمود، فاروق اور فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"حیرت تو اس بات پر ہے کہ مناٹو کوٹھی کے اندر کس طرح پہنچ گیا"

"آپ کا خیال بالکل صحیح لگتا ہے، گھر کا کوئی فرد ضرور اس سے مل گیا ہے"

"ہاں! یہی بات ہے.... اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک بار سب کے کمروں کی تلاشی لینا چاہتا ہوں...."

"آخر یہ ہو کیا رہا ہے.... کیا مناٹو میرے گھر میں کہیں چھپا ہوا ہے" خان بہادر نے پریشان ہو کر کہا۔

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے"

"خیر! آپ شوق سے تلاشی لیں"

"اگر مناٹو مجھے مل جائے تو کیا میں اسے پکڑ کر قانون کے حوالے کر دوں" انسپکٹر جمشید نے عجیب سوال کیا۔

"جی بھلا اسے قانون کے حوالے نہیں کریں گے تو پھر کیا کریں گے" خان بہادر حیران ہو کر بولے۔

"بہت خوب! میں ابھی تلاشی شروع کرتا ہوں.... محمود، فاروق، فرزانہ تم تینوں بھی یہ کام شروع کر دو، ہم میں سے ہر ایک الگ الگ تلاشی لے گا، تاکہ جلد فارغ ہو سکیں"

"جی اچھا! لیکن ابا جان! ہم تلاش کیا کریں" محمود نے پوچھا۔

"زیورات جو تجوری میں سے گم ہوئے ہیں، پھر نقدی...... جو آج ہی بنک سے نکلوائی تھی، لیکن اڑا لی گئی"

"بہت بہتر!"

انسپکٹر جمشید نے تلاشی خان بہادر کے کمرے سے ہی شروع کی، اس پر انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"لیکن میرے کمرے کی تلاشی لینے کی کیا ضرورت ہے"

"میرے اپنے کچھ اصول ہیں.... سراغرسانی کے.... میں ان پر عمل

گرکے ہی ہر کیس کی تہہ تک پہنچتا ہوں .... اگر آپ کو یہ منظور نہیں تو ہم اسی وقت جانے کے لیے تیار ہیں۔"

"ارے نہیں .... آپ تو ناراض ہو گئے۔" خان بہادر نے پریشان ہو کر کہا۔

انسپکٹر جمشید دوبارہ تلاشی میں جٹ گئے۔ انہوں نے خان بہادر سے الماریوں کی چابیاں لے کر انہیں کھول کر دیکھا، باریک بینی سے ان کی تلاشی لی، اس دوران خان بہادر اکتا کر باہر نکل گئے، ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انسپکٹر جمشید کیا تلاش کر رہے ہیں۔

دوسری طرف محمود نے فراست علی کے کمرے کی راہ لی۔ اس نے کمرے کی ایک ایک چیز کو کھنگال ڈالا، لیکن کوئی چیز دستیاب نہ ہو سکی۔ فاروق ہدایت علی کے کمرے میں ناکام رہا اور فرزانہ جہاں آرا خان کے کمرے سے کوئی چیز نہ نکال سکی۔ محمود فراست علی کے کمرے سے فارغ ہو کر وجاہت میر کے کمرے میں پہنچا، یہاں وجاہت میر موجود تھا:

"مجھے آپ کے کمرے کی تلاشی لینا ہے۔"

"شوق سے لیجیے تلاشی، مجھے خان بہادر صاحب کا پیغام مل گیا ہے کہ آپ لوگوں کو تلاشی لینے سے نہ روکا جائے۔" اس نے کہا اور ایک طرف ہٹ گیا۔ محمود نے تلاشی شروع کی، لیکن یہاں بھی اسے کچھ نہ مل سکا .... فاروق فرحان خاں کے کمرے میں داخل ہوا

اور کوئی کام کی چیز نہ تلاش کر سکا، فرزانہ کابوس کے کمرے میں گھسی اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئی .... فاروق رامیس کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ رامیس بے خبری کے عالم میں سو رہا ہے، اس نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا اور تلاشی شروع کر دی .... ایک الماری کے دروازے پر ایک تالا لٹک رہا تھا، فاروق کے آگے وہ تالا دو منٹ سے زیادہ نہ ٹک سکا .... ایک ہلکی سی کلک کے ساتھ کھل گیا۔

فاروق نے الماریوں کے دونوں پٹ کھول ڈالے اور پھر وہ دھک سے رہ گیا۔ ہیرے، جواہرات اور سونے کے تمام زیورات الماری میں موجود تھے، نہ صرف زیورات بلکہ وہ نقدی نوٹوں کی گڈیوں کی صورت میں موجود تھی جو آج رامیس نے بنک سے نکلوائی تھی اور جس کے بارے میں اس نے آکر بتایا تھا کہ کوئی اڑا کر لے گیا۔

ابھی فاروق کھڑا زیورات اور نقدی کو گھور ہی رہا تھا کہ ایک آواز نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیے۔

"خبردار! پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔"

لیکن اتنی دیر میں فاروق مڑ چکا تھا، اس نے دیکھا، رامیس خونخوار انداز میں اسے گھور رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ رنگ کا پستول چمک رہا تھا:

"پیچھے مڑ کر تو میں دیکھ چکا دوست، اب کچھ نہیں ہو سکتا۔" اس نے چہکتی آواز میں کہا۔ سوچ رہا تھا کہ آج اس نے تنہا میدان مار

مار لیا۔ دوسروں کا دور دور پتا نہیں۔

"یہی جانتا تھا، کوئی نہ کوئی تلاشی لینے آئے گا۔" رامیس غرایا۔

"پھر بھی تم نے یہ چیزیں اس الماری میں رکھ دیں۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! اس لیے کہ میرے پاس کوئی اور جگہ نہیں تھی۔"

"اور اس سے پہلے کی اڑائی ہوئی چیزیں کہاں ہیں، تم نے ایسا کیوں کیا.... تم تو خان بہادر کے سب سے پرانے ملازم ہو۔"

"پرانا ملازم ہوں، اسی لیے تو یہ سب کیا ہے، اگر نیا ہوتا تو کبھی ایسا نہ کرتا۔"

"اب کیا کہتے ہو، یہ پستول تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا.... بہتر ہو گا کہ پستول پھینک دو اور خود کو قانون کے حوالے کر دو۔"

عین اسی وقت کوئی چیز رامیس کے ہاتھ سے ٹکرائی اور پستول فرش پر آ رہا، فاروق نے تیزی سے جھک کر پستول اٹھا لیا، دروازے کی طرف دیکھا تو وہاں فرزانہ کھڑی تھی، اس نے پیچھے سے آ کر اپنے ہاتھ کی ہڈی استعمال کی تھی۔

"شکریہ فرزانہ .... ویسے میں خود بھی اس پر قابو پا سکتا تھا، تم نے یونہی زحمت کی ..... فاروق نے منہ بنایا۔

"تب پھر شکریہ کیوں ادا کر رہے ہو۔" فرزانہ نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے۔" انھوں نے محمود کی آواز سنی۔

"ہم نے چور پکڑ لیا ہے۔" فرزانہ خوش ہو کر بولی۔

"ہم نے نہیں، میں نے .... تم خود کو بلاوجہ شامل کر رہی ہو۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

اسی وقت قدموں کی آواز گونجی اور انسپکٹر جمشید وہاں پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر بعد سب وہاں جمع تھے، ان سب کا مارے حیرت کے برا حال تھا.... کافی دیر کی خاموشی کے بعد خان بہادر کی آواز گونجی

"تت .... تو کیا ..... یہ رامیس ہی مناٹو ہے۔"

○

"یہ مناٹو ہے یا نہیں، نقدی اور زیورات ضرور اس کے کمرے میں موجود ہیں .... اب آپ کیا چاہتے ہیں .... کیا رامیس کو قانون کے حوالے کر دیا جائے۔"

"لیکن اس سے پہلے بھی تو میرا بہت نقصان ہو چکا ہے.... ابھی تک اس کا سراغ تو ملا نہیں۔"

"ہاں! لیکن آپ فکر نہ کریں..... رامیس سے سب کچھ اگلوا لیا جائے گا۔"

"تو پھر آپ اسے لے جا سکتے ہیں، مجھے چوروں اور ڈاکوؤں سے کوئی ہمدردی نہیں، ہر چور اور ڈاکو کو سزا ملنی چاہیے۔ ہر

بے ایمان کو اس کی بے ایمانی کی سزا ملنا ضروری ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں.... آپ کو اپنا تحریری بیان بھی دینا ہوگا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جو آپ چاہیں، لکھ دوں۔"

"ٹھیک ہے، میں آپ سے لکھوا لیتا ہوں۔۔"

"سوال یہ ہے کہ اس رامیس کے بچے کا یہ سب حرکات کرنے سے مقصد کیا تھا..... اور پھر اس نے یہ سب کچھ کیا کس طرح.... یہ ایک آدمی کا کام تو ہے نہیں۔"

"اس نے ضرور کچھ ساتھیوں سے مدد لی ہوگی۔"

"ہاں ضرور یہی بات ہے، کیونکہ جنگل میں بیک وقت.... چار چار فائر ہوئے تھے۔"

"ہم اس سے ایک ایک بات معلوم کر لیں گے۔"

تھوڑی دیر بعد خان بہادر کا تحریری بیان لے لیا گیا اور پھر سب انسپکٹر اکرام کے ذریعے رامیس کو اس بیان کے ساتھ حوالات بھیج دیا گیا۔

"ابا جان! بات کچھ پلے نہیں پڑی...." محمود اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"پڑ جائے گی، فکر نہ کرو۔"

"آخر یہ معاملہ کیا ہے۔ زیورات اور نقدی چرانے کی رامیس کو

کیا ضرورت تھی..... یہ مناڈو کون ہے.... رامیس کو اس کا نام اپنانے کی کیا ضرورت تھی۔" محمود نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"بھئی سسپنس پیدا کرنے کے چکر میں ہو گا.... تم کیوں اپنے ذہن کو الجھا رہے ہو۔"

"یہ چکر ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔"

"کہا تو ہے.... آجائے گا وقت آنے پر۔" وہ بولے۔

"آپ.... ایسا معلوم ہوتا ہے.... کچھ چھپا رہے ہیں....."

"میں بہت کچھ جانتا ہوں..... لیکن میرا دعویٰ ہے کہ جو میں جانتا ہوں، وہ تم نہیں جان سکو گے۔"

"یہ بات تو ہم پہلے ہی تسلیم کیے ہوئے ہیں۔"

اسی شام کا ذکر ہے کہ اکرام خان بہادر کی کوٹھی میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے۔

"سر! وہ رامیس...." اس نے جملہ درمیان میں چھوڑ دیا۔

"کیا ہوا، رامیس کو؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"وہ.... وہ فرار ہو گیا...."

"کیسے؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"اسے دو کانسٹیبلوں کے ساتھ حوالات روانہ کر دیا گیا تھا، وہ راستے میں ان دونوں کو غچہ دے کر بھاگ نکلا۔" اس نے بتایا۔

"اوہ! یہ بہت برا ہوا، بڑی مشکل سے تو اس کیس میں کوئی کامیابی

کی صورت نظر آئی تھی۔" انہوں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ ان کے ساتھ خان
بہادر بھی بیٹھے تھے، ان کا تو رنگ ہی اڑ گیا۔ انہوں نے کانپتی آواز
میں کہا:

"اب.... اب کیا ہو گا۔"

"فکر نہ کریں، بہت جلد اسے دوبارہ گرفتار کر لیا جائے گا، اکرام
چاروں طرف پولیس کو لگا دو۔"

"جی بہتر!" اکرام نے کہا اور چلا گیا۔

○

رات کے ٹھیک دو بجے محمود کی آنکھ کھل گئی، اس نے
چند لمحے تک تو اندھیرے میں پلکیں جھپکائیں اور یہ سوچتا رہا کہ اس
کی آنکھ کیوں کھلی، پھر اٹھ کر کمرے کا بلب روشن کر دیا۔ فاروق اور
فرزانہ بے سدھ سو رہے تھے۔ اس نے انہیں سوتا چھوڑا اور انسپکٹر
جمشید کے کمرے میں جھانکا.... وہ اپنے بستر پر نہیں تھے.... اس کی
حیرت بڑھی، کچھ سوچ کر اس نے خان بہادر کے کمرے کی طرف قدم
بڑھائے، اسی وقت اس نے ایسی آواز سنی جیسے کرسی گھسیٹی گئی ہو،
اس کے کان کھڑے ہو گئے، بھلا رات کے دو بجے کرسی کے گھسیٹنے
کی کیا تک تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا، اس نے دیکھا، خان
بہادر کے کمرے میں کوئی نہیں تھا، البتہ باغ میں کھلنے والی کھڑکی کھلی

تھی۔ کمرے میں داخل ہو کر کھڑکی سے نیچے جھانکا تو ایک عجیب منظر نظر آیا۔
اس نے ایک پل کے لیے سوچا اور پھر آواز پیدا کیے بغیر باغ میں
اتر گیا.... اب وہ تیزی سے ایک سمت میں چلا جا رہا تھا، اس
سے کچھ فاصلے پر ایک اور شخص کوئی چیز کندھے پر ڈالے جا رہا
تھا، کندھے پر لدی ہوئی چیز وزنی تھی، پھر بھی چلنے والا بہت
تیزی سے چل رہا تھا، یہاں تک کہ محمود کو اس کے تعاقب میں
دشواری پیش آ رہی تھی۔

باغ سے باہر نکلتے ہی محمود کو ایک کار کھڑی دکھائی دی....
اس کے حواس بیدار ہو گئے.... وہ شخص اپنے کندھے کا وزن کار
کی پچھلی سیٹ پر گرا کر خود اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا، محمود نے آؤ
دیکھا نہ تاؤ، کار کی ڈگی پر چڑھ کر جنگلہ پکڑ لیا.... اسی وقت اس
نے اپنے پیچھے ایک سی آہٹ سنی۔ اس نے دیکھا، فاروق اور فرزانہ
طنزیہ انداز میں مسکرا رہے تھے۔

نمک حرام

آدھ گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد کار جنگل کے بیچوں بیچ ایک جھونپڑی کے سامنے رک گئی۔ وہ شخص نیچے اترا پھر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اس بوجھ کو باہر نکال کر کندھے پر ڈالا اور جھونپڑی میں گھس گیا، تینوں کار کے رکتے ہی ڈگی کے اوپر سے اتر کر درختوں کی اوٹ میں ہو گئے تھے، راستے میں اگر گھٹا ٹوپ اندھیرا نہ ہوتا تو شاید وہ دیکھ لیے جاتے، اندھیرے میں بھی وہ کار سے جونک کی طرح چمٹے رہے تھے۔

"تم دونوں سے کس نے کہا تھا کہ میرے پیچھے چلے آنا۔" محمود نے ناخوش گوار لہجے میں سرگوشی کی۔

"کسی نے بھی نہیں، بعض کام ہم اپنی مرضی سے بھی کر لیا کرتے ہیں۔" فرزانہ نے برا مان کر جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے.... اگر آنا ہی تھا تو اس کار کے تعاقب میں آتے، یہ کیا کیا کہ اسی سے لٹک گئے، اس طرح تو ہم تینوں کے پکڑے

جانے کا خطرہ تھا۔"

"چھوڑو.... ہم اتنی آسان اور سیدھی کھیر نہیں ہیں۔" فاروق ممنایا۔

"میں یہ سمجھا تھا کہ صرف میری آنکھ کھلی ہے، مجھے کیا معلوم تھا تم دونوں بھی میرے ساتھ ہی جاگے ہو۔" محمود نے حسرت زدہ سے لہجے میں کہا۔

"شاید تم اکیلے ہی اکیلے یہ معرکہ مارنا چاہتے تھے، اگر تمہاری یہی خواہش تھی اور ہے تو ہم واپس چلے جاتے ہیں، لیکن جائیں گے اسی کار کے ذریعے جس سے ہم لوگ یہاں تک پہنچے ہیں۔" فاروق نے شریر لہجے میں کہا۔

"اچھا بس، اب آگئے ہو تو ذرا خاموشی سے حالات کا جائزہ لو۔ دیکھو کہ اس جنگل میں کیا ہونے والا ہے، یہ کون ہے جو کسی کو لاد کر یہاں تک لایا ہے۔" محمود نے قدرے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ارے.... تو کیا یہ شخص کسی زندہ آدمی کو کندھے پر اور پھر کار پر لاد کر لایا ہے۔" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"اور نہیں تو کیا تمہارے خیال میں وہ رات کو اس وقت کار پر گھاس کی گٹھڑی لاد کر لایا ہے۔" محمود کو غصہ آگیا۔

"نہیں خیر.... گھاس کی گٹھڑی تو نہیں لا سکتا، کیونکہ جنگل میں تو گھاس پہلے ہی بہت کافی ہوتی ہے اور میں نے ان دنوں کوئی ایسی خبر بھی نہیں پڑھی کہ جنگل میں گھاس ختم ہو گئی.... اسے

جنگل کے باشندوں نے تمام کا تمام چر لیا ، لہٰذا ضرورت ہے جنگل میں گھاس اگانے کی۔" فاروق کہتا چلا گیا۔

"دھت تیرے کی..... توبہ ہے تم سے .... کاش تم دونوں کی آنکھ نہ کھلی ہوتی۔"

"آنکھ کا کیا ہے ، ہم اس وقت بھی بند کر سکتے ہیں۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"فاروق میرا خیال ہے ، اب تم اپنی زبان کو بریک لگا ہی لو ، کیونکہ یہ موقع بہت سنجیدہ ہے۔"

"اوہو ، تو پہلے بتایا ہوتا۔ دراصل مجھے موقعوں کی کوئی پہچان نہیں کہ کون سا موقع کیسا ہے .... خیر یہ لو ، میں بالکل چپ ہو جاتا ہوں۔" اور اس نے واقعی اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کر لیے۔

تینوں آگے بڑھے، جھونپڑی کی دیواریں گھاس کی بنی ہوئی تھیں، ان کے آر پار انگلی سے سوراخ بنا کر دیکھا جا سکتا تھا، چنانچہ انہوں نے تین سوراخ بنائے اور اندر جھانکا۔

انہوں نے دیکھا - اندر ایک لیمپ جل رہا تھا ، ایک شخص فرش پر بے سدھ پڑا تھا اور دوسرا لکڑی کے کٹے ہوئے تنے پر بیٹھا تھا ، شاید وہ اس کے جاگنے کا انتظار کر رہا ، بیٹھے ہوئے شخص کی کمر ان کی طرف تھی اور دوسرے آدمی کا منہ بھی ان کی

طرف نہیں تھا : یہ تینوں سوراخ تو بے کار گئے ، آؤ ، نئے سوراخ بنائیں :" فاروق دبی آواز میں بولا۔

اس کے سوا وہ اور کر بھی کیا سکتے تھے - وہاں سے ہٹتے وقت فرزانہ کو کار کا خیال آیا :

"ارے ! ہم اسے تو بھول ہی گئے ، ہمیں یہ بھی نوٹ کرنا چاہیے کہ یہ کار کس کی ہے ، اس کا نمبر کیا ہے۔"

"ضرور نوٹ کرو ، ہم تو پہلے جھونپڑی میں جھانکیں گے .... نہ جانے اتنی دیر میں کیا سے کیا ہو جائے۔" فاروق نے کہا اور چکر لگا کر دوسری طرف پہنچ گیا - محمود نے بھی اس کا ساتھ دیا ، فرزانہ کار کے نمبر نوٹ کرنے کے لیے اس کی طرف مڑ گئی - اندھیرے میں نمبر نظر نہیں آ رہے تھے ، تاہم وہ جھکی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے بعد نمبر نوٹ کرنے میں آخر کامیاب ہو گئی - اب وہ محمود اور محمود کی طرف بڑھی - دونوں جھونپڑی کی دیوار سے آنکھ لگائے کھڑے تھے ، اس نے بھی ایک سوراخ بنایا .... اتنی احتیاط سے کہ اندر آواز نہ جا سکے اور پھر آنکھ سوراخ سے لگا دی۔

دوسرا لمحہ چونکا دینے والا تھا ، اب اندر موجود دونوں آدمیوں کے چہرے صاف نظر آ رہے تھے - بے ہوش آدمی خان بہادر صاحب کے علاوہ کوئی نہیں تھا اور لکڑی پر بیٹھا ہوا آدمی رامیس تھا ، اسی وقت رامیس اٹھا ، اس نے خان بہادر کے گالوں پر زور زور سے تھپکیاں

دیں، آخر ایک منٹ کی کوشش کے بعد انہوں نے آنکھیں کھول دیں پھر
وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ انہوں نے زور زور سے آنکھیں ملیں اور پھر
جونہی ان کی نظر رامیس پر پڑی، وہ بری طرح اچھل پڑے:

"میں .... میں کہاں ہوں .... اور رامیس نمک حرام .... یہ تم ہو"

"جی ہاں خان بہادر .... یہ میں ہی ہوں .... اور میں نمک حرام
ہرگز نہیں ہوں، کیونکہ آپ کی ملازمت کے دوران نمک اپنا استعمال
کرتا رہا ہوں .... محنت مزدوری کر کے تنخواہ لیتا رہا ہوں، لہذا میں
نمک حرام کس طرح ہو گیا۔"

"تو پھر یہ سب کیا ہے، پہلے میری تجوری پر ہاتھ صاف کیا،
پھر پولیس سے بھاگے اور اب مجھے میری کوٹھی سے اٹھا کر یہاں
لے آئے، آخر تم چاہتے کیا ہو۔"

"ابھی معلوم ہو جائے گا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔" رامیس نے
مسکرا کر کہا۔

ادھر جھونپڑی سے باہر عین اسی وقت محمود، فاروق اور فرزانہ
کی کنپٹیوں سے کوئی چیز آ لگی، ٹھنڈی ٹھنڈی اس چیز سے وہ اچھی طرح
واقف تھے، یہ پستول کی نالوں کے سوا کچھ نہیں تھی، ساتھ ہی انہوں
نے ایک غراہٹ نما آواز سنی:

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو، ورنہ کن پٹیوں میں روشن دان بن
جائیں گے۔"

"لاحول ولاقوۃ .... تم روشن دان بنانے کا کام کرتے ہو، پہلے بتایا
ہوتا تو ہم کوٹھی کی تعمیر کے سلسلے میں تمہاری خدمات حاصل کر لیتے۔"
فاروق نے خوش دلی سے کہا اور ہاتھ اوپر اٹھا دیے، محمود اور فرزانہ
اس سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا چکے تھے، ساتھ ہی انہوں نے رامیس کی
آواز سنی:

"کیا بات ہے، رالوش۔"

"انسپکٹر جمشید کے بچے باہر موجود ہیں جناب، ہم نے انہیں پستولوں
کی زد میں لے لیا ہے۔"

"انہیں اندر لے آؤ، ان سے بھی سمجھوں گا، ہر جگہ پہنچ جاتے
ہیں یہ بھی۔" رامیس کا لہجہ غصیلا تھا۔

تینوں کو پستولوں کی نالوں سے ٹھوکا دیا گیا اور وہ ایک
ایک قدم اٹھاتے جھونپڑی میں داخل ہو گئے۔

"بیٹھو ایک طرف اور خبردار ہماری بات چیت میں ٹانگ اڑانے کی
کوشش کرنا۔"

"بات چیت میں تو ٹانگ اڑ ہی نہیں سکتی جناب رامیس صاحب۔"
فاروق نے مسکرا کر کہا۔ ان تینوں کو اطمینان تھا کہ انسپکٹر جمشید کہیں
آس پاس ہی موجود ہوں گے۔

"اسی کو تو ٹانگ اڑانا کہتے ہیں .... ضرورت نہیں ہے اندر بول
رہے ہو۔"

” ارے .... تو اسے ٹانگ اڑانا کہتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا، خدا کا شکر ہے، میری قابلیت میں اور اضافہ ہوا“ فاروق خوش ہو کر بولا۔

” اگر اب یہ بولے تو اس کی کان کی لو اڑا دینا“ رامیس نے غرا کر کہا۔

” ارے باپ رے“ فاروق بوکھلا اٹھا۔ محمود اور فرزانہ نے اسے بری طرح گھورا جیسے کہہ رہے ہوں۔ بھئی اب خاموش بھی رہو، ذرا یہ تو دیکھ لیں، معاملہ کیا ہے ٹانگ کا کیا ہے، وہ تو کسی وقت بھی اڑا سکتے ہیں۔ فاروق ان کا مطلب سمجھ گیا، لہٰذا اس نے ہونٹ مضبوطی سے بند کر لیے۔

” ہاں تو خان صاحب .... اب آپ بات چیت کرنے کے لیے تیار ہوں تو کچھ عرض کروں“

ہاں! جلد بتاؤ .... تم کیا چاہتے ہو، اتنا کچھ لوٹنے کے بعد بھی مجھ سے کیا غرض رہ گئی ہے“

” آپ سے ایک بہت پرانا حساب چکانا ہے .... شاید آپ اس کے لیے ذہنی طور پر تیار بھی نہ ہوں .... آپ کو میرا وہ خط تو یاد ہوگا جو خنجر کی نوک کے نیچے سے ملا تھا .... اس خط کو پا کر بھی آپ نے حالات کو درست کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی، حالانکہ میرا خیال تھا کہ آپ سیدھے راستے پر آ جائیں گے .... لیکن ایسا نہیں

ہوا، لہٰذا آپ کو خبردار کرنے کے لیے آپ کی تجوری صاف کی
کی گئی ..... اس پر بھی آپکے کان پر جوں نہ رینگی، دراصل آپ
تو یہ سمجھتے رہے ——— تا کہ آپ کے گھر میں انسپکٹر جمشید
اور ان کے بچے موجود ہیں، ان کی موجودگی میں آپ کا بال بھی بیکا
نہیں کیا جا سکتا، لیکن دیکھ لیجیے .... میں ان لوگوں کی موجودگی میں
آپ کو یہاں اٹھا لایا ہوں .... اسی سے آپ اندازہ لگا سکتے
ہیں کہ میں کیا کچھ کر سکتا ہوں .... انسپکٹر جمشید کے بچے بے بس
آپ کے سامنے بیٹھے ہیں ....“ یہاں تک کہہ کر رامیس خاموش ہو گیا:

” ابھی تک تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم کیا چاہتے ہو، کونسا حساب مجھ سے چکانا ہے تمہیں، میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم رامیس ہو، میرے بہت پرانے مالی .... اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، میں نے تم سے کوئی زیادتی نہیں کی، کوئی ناانصافی نہیں کی“ خان بہادر نے جواب میں کہا۔

” یہ آپ کا خیال ہے، میرا نہیں، ابھی جب میں آپ کو تفصیل سناؤں گا تو آپ کا خیال بھی بدل جائے“

” آخر تم وہ تفصیل کب سناؤ گے“ خان بہادر جھلا اٹھے۔

” بس ابھی .... چند منٹ تک ....“ رامیس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

” میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ کیا ہو رہا ہے، رامیس مجھے اس

طرح یہاں تک لانا غیر قانونی اقدام ہے ..... اور ان تینوں پر پستول تان لینا بھی ..... تم اپنے لیے مشکلات مول لے رہے ہو، تم مجھے نہیں جانتے، میں کون ہوں، میرے ایک اشارے پر سارے شہر کی پولیس حرکت میں آجائے گی اور تم پورے ملک میں کہیں چھپ نہیں سکو گے ..... تمہیں دراصل میری طاقت کا اندازہ ہی نہیں، مجھ سے تو بڑے بڑے کانپتے ہیں، میرا وکیل بہت خوفناک آدمی ہے ..... یوں سمجھ لو، تم نے شیر کے منہ میں ہاتھ دے دیا ہے۔" خان بہادر کہتے چلے گئے۔

"آپ کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ میں نے شیر کے منہ میں ہاتھ دے دیا ہے، لیکن ہاتھ دینے سے پہلے مجھے اچھی طرح یہ بات معلوم تھی کہ میں کیا کر رہا ہوں، لہٰذا آپ فکر نہ کریں اور جلد از جلد اپنے بارے میں فیصلہ کریں۔"

"کیسا فیصلہ۔" خان بہادر نے منہ بنایا۔

"میں آپ سے جس حساب کی بات کر رہا ہوں، آپ اسے چکانے کے لیے تیار ہیں یا نہیں ..... بات بہت معمولی ہے، بہت چھوٹی ہے ..... آپ جیسے بڑے لوگوں کو تو زیب بھی نہیں دیتی ..... پھر نہ جانے کیوں آپ نے ایسا کیا۔"

"آخر میں نے کیا کیا ہے۔" خان بہادر چلا اٹھے۔

"آپ ..... نے کیا ..... کیا ہے .....؟" رامیس رک رک کر بولا، پھر

اس نے گھڑی پر نظر ڈالی اور بولا:

"میں آپ کو بتاؤں گا کہ آپ نے کیا کیا ہے ..... آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں کہ میں آپ کو کیا بات بتانے والا ہوں ..... ہاں تو سنیے ..... پندرہ سال پہلے ..... آپ نے اپنی کوٹھی تعمیر کرائی تھی ..... کرائی تھی نا ..... بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ تعمیر کرانا شروع کی تھی۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے ..... تو پھر اس سے کیا؟" خان بہادر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اور کوٹھی بنانے کے لیے آپ نے یہ زمین خریدی تھی۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" انہوں نے کہا۔

"زمین آپ نے بھاری قیمت ادا کر کے خریدی تھی ..... لیکن آپ کی کوٹھی خوبصورت نہیں بن سکتی تھی، آپ کے معمار کا خیال یہی تھا ..... کیوں ٹھیک ہے نا ..... جناب!" رامیس نے لہجے میں طنز گھولتے ہوئے کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو۔" خان بہادر کو ایک دم غصہ آگیا۔ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"ارے ارے ..... خان بہادر صاحب ..... آپ کو تو ابھی سے غصہ آ گیا، ابھی تو میں نے اصل بات بتائی بھی نہیں۔"

"تم اپنی موت کو آواز دے رہے ہو۔" خان بہادر غرائے۔

"شاید ایسی بات نہیں .... اور پھر اگر موت کا وقت آگیا ہے تو اسے میں کس طرح روک سکتا ہوں" رامیس دھیرے سے مسکرایا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ کا بُرا حال تھا .... انسپکٹر جمشید ابھی تک وہاں نہیں پہنچے تھے اور نہ ان کے آنے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ ادھر ان پر تین تین پستول تنے ہوئے تھے اور وہ بھی اس طرح کہ رامیس کے تینوں ساتھیوں کی نظر ان پر سے ایک سیکنڈ کے لیے نہیں ہٹ رہی تھی۔

"صاف صاف کہو .... کیا کہنا چاہتے ہو؟" خان بہادر صاحب بُرا سا منہ بنا کر بولے۔

"جب آپ کے معمار نے یہ بتایا کہ کوٹھی خوبصورت نہیں بنے گی تو آپ کو بہت حیرت ہوئی ..... آپ نے اس سے وجہ پوچھی تو اس نے نقشہ آپ کے سامنے رکھ دیا .... نقشہ کچھ اس قسم کا تھا کہ زمین کا ٹکڑا اس کے لیے واقعی ایک حد تک کم رہ گیا تھا۔ اس کے لیے صرف چند مربع گز زمین کا ٹکڑا اور درکار تھا، اس کے بغیر کوٹھی کی خوبصورتی زائل ہو جاتی، معمار کے یہ کہنے پر آپ نے زمین کے ٹکڑے کا جائزہ لیا .... جس سمت میں مزید زمین کی ضرورت تھی، اس سمت میں ایک بڑھیا کا کچا سا مکان تھا، گویا آپ کو ایک عدد خوبصورت کوٹھی کی تعمیر کے لیے اس بڑھیا کے مکان کی ضرورت تھی، آپ اس بڑھیا کے پاس گئے، اسے بتایا کہ آپ .... ایک کوٹھی تعمیر کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے آپ کو

اس کے مکان کی بھی ضرورت ہے، لہٰذا وہ اپنا مکان فروخت کر دے، بڑھیا نے یہ سن کر انکار کر دیا اور کہا کہ یہ اس کے باپ دادا کا مکان ہے، وہ اسے کسی حالت میں بھی فروخت نہیں کر سکتی .... اس مکان کو کسی بھی صورت میں نہیں چھوڑ سکتی۔ پہلے تو آپ نے بڑھیا کو بہت سمجھایا، اسے منہ مانگی قیمت دینے کی پیشکش

کی، لیکن جب وہ نہ مانی تو آپ اسے دھمکانے پر اتر آئے۔ بڑھیا پھر بھی نہ مانی اور دھمکیوں سے خوف زدہ ہوئی۔ یہ چکر کئی دن تک چلتا رہا، بڑھیا نے آپ کی کوئی بات بھی ماننے سے انکار کر دیا، اپنا مکان چھوڑنے پر کسی طرح بھی تیار نہ ہوئی۔ ادھر معمار کا کہنا تھا کہ کوٹھی کی ساری خوبصورتی غارت ہو جائے گی ..... آخر آپ نے اس بڑھیا کو اپنے ملازموں کے ذریعے حویلی میں بلوایا .... اس وقت میں بھی آپ کے ملازموں میں شامل تھا .... اور یہ گناہ کرنے میں بھی گیا تھا۔ لیکن بعد میں میں اپنے اس گناہ پر رویا .... خیر .... بڑھیا آپ کے سامنے حاضر ہوئی، وہاں آپ کا وکیل موجود تھا۔ اس نے کاغذات پہلے ہی تیار کر رکھے تھے۔ ان کاغذات پر بڑھیا سے زبردستی انگوٹھے لگوائے گئے، گواہوں کے دستخط کرائے گئے یا انگوٹھے لگوائے گئے .... بڑھیا اس ساری کاروائی کے دوران

چیختی رہی، چلاتی رہی .... لیکن اس پر کسی کو رحم نہ آیا، البتہ مجھے
اس پر بہت ترس آیا، لیکن میں کر ہی کیا سکتا تھا، بے بس تھا،
میری آنکھوں کے سامنے ساری کارروائی مکمل ہو گئی اور بڑھیا کو زمین
کے چند ہزار روپے دے کر حویلی سے باہر نکال دیا گیا۔ مجھ سے
یہ ظلم برداشت نہ ہو سکا.... میں چوری چھپے حویلی سے باہر آیا
اور بڑھیا کو اپنے گھر لے آیا۔ اس کے بعد بڑھیا نے وکیلوں کے
دروازے کھٹکھٹائے.... عدالتوں کے چکر پر چکر لگائے، لیکن بھلا
نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا..... اس کی کوئی پیش نہ گئی،
کوئی اس کے لیے کچھ نہ کر سکا.... کارروائی ہر لحاظ سے مکمل تھی اور
اس میں تو یہ کیا گیا تھا کہ بڑھیا نے زمین اپنی مرضی سے فروخت
کی ہے.... چنانچہ کوئی وکیل، کوئی عدالت بڑھیا کے لیے کر بھی
کیا سکتی تھی.... خان بہادر صاحب..... آپ نے اس کے لیے
کیا بھی تو صرف یہ کہ شہر کی کچی آبادی میں اسے ایک ٹوٹا پھوٹا
سا مکان لے دیا، جہاں وہ زندگی کے دن گزارنے لگی.... لیکن
خان بہادر صاحب..... وہ آج بھی اپنے مکان کی یاد میں اسی
طرح آنسو بہاتی ہے.... رو رو کر اس نے اپنی جان ہلکان کر لی
ہے.... میں اس سے اکثر ملنے جاتا رہا..... لیکن اندر سے بہت
بزدل تھا، ایک خان بہادر کے خلاف کر ہی کیا سکتا تھا.... آخر
خدا نے مجھے طاقت دی، توفیق دی.... میں نے اپنے ساتھ

ان تین شریف آدمیوں کو شامل کیا اور آپ کو چوٹ پر چوٹ
پہنچانے کا پروگرام بنایا، آپ شکار کا پروگرام بناتے تو ہم جنگل میں
پہنچ کر درختوں پر چڑھ جاتے اور آپ کے پروگرام کو درہم برہم
کر دیتے.... بنک سے نقدی نکلواتے تو ہم وہ اڑا لیتے.....
ایک بار تو کار ہی اڑا لی..... آپ کی جیپوں کے ٹائر پھاڑ
دیے.... تاکہ پہلے آپ کو اپنی طاقت کا نمونہ دکھا دیا جائے
.... آخر میں میں نے آپ کی تجوری پر بھی ہاتھ صاف کر دیا....
لیکن ہم نے یہ سب کچھ لوٹ کھسوٹ کے لیے نہیں کیا، بلکہ آپ
کو جھنجھوڑنے کے لیے کیا ہے.... لیکن آپ نے کیا کیا کہ بڑھیا
کو ہلاک کرنے کے لیے اس کے گھر جا پہنچے.... خیر، میں موجود تھا
اور میں نے پہلے ہی بڑھیا کو ایک دوسرے جگہ پہنچا دیا تھا۔ تو
جناب خان بہادر صاحب.... آپ بہت بڑے آدمی تھے، لیکن آپ
نے ایک بہت چھوٹے سے آدمی کا حق غصب کر ڈالا اور وہ بھی
اس طرح کہ وہ بے چاری قانون کا سہارا بھی نہ لے سکی، بالکل
بے دست و پا ہو گئی، لیکن وہ اس دوران ایک لمحے کے لیے بھی
اپنے مکان کو نہ بھول سکی، اس کو ان دیواروں سے، ان دروازوں
اور گھر کے ایک ایک ذرے سے اتنی محبت تھی کہ وہ اس مکان
میں جان دینے کی خواہش رکھتی تھی، لیکن آپ نے اس کی اس
خواہش کا گلا گھونٹ دیا.... یہ تھی کل کہانی.... آج میں یہاں اس

بڑھیا کا حساب آپ سے لینے کے لیے موجود ہوں اور آپ کو بھی
اس لیے لایا گیا ہے .... اب آپ جو کچھ بھی کہنا چاہتے ہیں، بڑھیا
کے سامنے ہی کہیے گا۔" یہ کہہ کر رامیس نے منہ جھونپڑے کی
طرف کیا اور قدرے بلند آواز میں بولا:

" آجاؤ اماں اندر.... آج ظالم اور مظلوم ایک ساتھ کھڑے
ہو رہے ہیں .... اس ملک کی عدالتیں اس ظالم کا کچھ بھی
بگاڑنے سے لاچار ہیں، کیونکہ اس نے کاغذی کارروائی مکمل کر
رکھی ہے .... ہم یہ بات ثابت نہیں کر سکتے کہ پندرہ سال پہلے
ان کی کوٹھی کے جنوبی کونے پر ایک کچا مکان تھا اور اس کچے
مکان کو انھوں نے زبردستی خرید لیا تھا، لیکن ان جیسے ظالموں اور
چالاک لوگوں کے لیے جنگل کا قانون چلتا ہے .... آج ہم یہاں جنگل
کا قانون آزمائیں گے اور پھر دیکھیں گے کہ جنگل کا قانون خان بہادر
صاحب کو کیا سزا دیتا ہے۔"

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک بوڑھی عورت جھونپڑے
میں داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر بے شمار جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔
چہرہ بالکل سپاٹ تھا جیسے رنج اور غم کا احساس مٹ چکا تھا۔
اس نے نظر بھر کر خان بہادر کو دیکھا اور پھر رامیس کو دیکھنے لگی۔
"یہی ہے وہ غریب جو آپ کے ظلم کا شکار بنی تھی۔ اب آپ کیا
کہتے ہیں .... کیا ارادہ ہے آپ کا؟" یہاں تک کہہ کر رامیس خاموش

ہو گیا۔

" اگر میں یہ کہوں کہ یہ سب ایک غلط کہانی ہے، میں نے رحمت بی بی
پر کوئی ظلم نہیں کیا، زمین اس کی خوشی سے خریدی تھی اور اس نے
منہ مانگی قیمت وصول کی تھی۔" خان بہادر بولے۔

" آپ یہ باتیں ملک کی عدالت میں کہہ سکتے ہیں، آپ ان باتوں کے
ثبوت میں کاغذات بھی پیش کر سکتے ہیں لیکن میں کہہ چکا ہوں کہ آج
ہم جنگل کا قانون آزمائیں گے، یوں سمجھ لیں، آپ جنگل کی عدالت
میں کھڑے ہیں .... اور جنگل کا قانون بتاتا ہے کیا ہے، آپ تو
شکاری ہیں، شکار کے شائق ہیں، ضرور جانتے ہوں گے .... اگر
نہیں تو میں بتائے دیتا ہوں، جنگل میں تو ہر طاقت ور سے کمزور
ڈرتا ہے، شیر سے سب ڈرتے ہیں .... ہر چھوٹا جانور اپنے بڑے
سے ڈرتا ہے، ہر بڑا اپنے سے چھوٹے کو چیر پھاڑ ڈالتا ہے، آج
رحمت بی بی آپ سے زیادہ طاقت ور ہے، آپ تنہا ہیں اور ہم
چار ہیں، رہا انسپکٹر جمشید کے بچوں کا سوال، وہ پہلے ہی بے بس
کیے جا چکے ہیں .... آج وقت کی باگ ڈور قدرت نے رحمت
بی بی کے ہاتھ میں دے دی ہے .... اب آپ ہی بتائیں، آپ
کا کیا پروگرام ہے، آپ کیا چاہتے ہیں، آپ کے ساتھ کیا
سلوک کیا جائے۔" رامیس یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔

" دیکھو رامیس طاقت کا پانسہ پلٹ بھی سکتا ہے، اگر انسپکٹر جمشید

یہاں پہنچ گئے تو تم کہاں ہو گے، وہ میرا ساتھ دیں گے، میں ان کے آئی جی صاحب کا دوست ہوں۔"

"یہ غلط ہے جناب خان بہادر۔" فاروق بول پڑا۔

"کیا غلط ہے۔" خان بہادر چونک کر بولے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ میں سے کسی نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیا۔

"یہی کہ وہ آپ کا ساتھ دیں گے، ان حالات میں وہ ہرگز آپ کا ساتھ نہیں دیں گے۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"کیا وہ قانون توڑنے والے کے خلاف قانونی چارہ جوئی نہیں کریں گے۔" خان بہادر نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"آپ کا مطلب ان وارداتوں اور اپنے نقصان کی طرف ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"جی ہاں!"

"ہو سکتا ہے، وہ مسٹر رامیس کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کے جرم میں گرفتار کر لیں، لیکن آپ بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے، کیونکہ آپ نے بھی تو کسی کا حق غصب کیا ہے۔"

"لیکن میں نے قیمت دے کر زمین حاصل کی تھی۔" انہوں نے کہا۔

"رحمت بی بی کی مرضی کے خلاف اگر آپ نے انہیں رقم دے کر بھی زمین حاصل کی ہے، تو بھی یہ ظلم ہی کہلائے گا۔"

"لیکن قانون زبانی باتوں کو نہیں مانتا.... آخر عدالت میں کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے کہ میں نے زمین زبردستی حاصل کی تھی۔" خان بہادر بولے۔

"اسی لیے تو آپ کو اس جنگل میں لایا گیا ہے اور آپ کا فیصلہ اسی جنگل کی عدالت میں کیا جائے گا.... ہاں اب بتائیے.... آپ کیا کہتے ہیں، کیا آپ رحمت بی بی کی زمین واپس کرنے پر تیار ہیں، میں نے ان سے پوچھ لیا ہے، یہ آج بھی اپنا ٹوٹا پھوٹا گھر چاہتی ہیں.... اس کے لیے آپ کو کوٹھی کا وہ حصہ گرانا ہو گا.... اور زمین ہموار کر کے وہی کچا مکان تعمیر کرا کے دینا ہو گا، رحمت بی بی کوئی پختہ مکان بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں.... اگر آپ کو یہ منظور نہ ہو تو پھر ہم وہ تمام دولت اور زیورات رحمت بی بی کو دے دیں گے اور وہ ان سے ساری زندگی عیش کریں گی، اگرچہ اس طرح انہیں اپنا گھر نہیں مل سکے گا، لیکن انہیں یہ تو خوشی ہو گی کہ انہوں نے اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے ایک طاقت ور آدمی کو اچھی سزا دی ہے.... یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رحمت بی بی اسے منظور نہ کریں اور ہم آپ کا گلا گھونٹ کر آپ کو اس جھونپڑے میں دفن کر دیں اور اس پر ایک مزار تعمیر کرا دیں.... اس مزار پر لکھ دیں گے کہ ظلم کرنے والوں کا انجام ایسا بھی ہو سکتا ہے.... تختی پر آپ کی کہانی لکھ دیں گے

....جلدی کیجیے.... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"میں رحمت بی بی کو وہ تمام دولت دیتا ہوں جو تم نے لوٹی ہے۔" خان بہادر نے کہا۔

"لیکن میں دولت کی نہیں.... اپنے باپ دادا کے گھر کی خواہش مند ہوں.... رقم لینا تو بالکل ایسا ہی ہو گا جیسے کوئی اپنا ملک بیچ دے.... میں وطن فروش نہیں ہوں، اپنے وطن کے ایک انچ کو بھی دوسرے کے قبضے میں نہیں دیکھ سکتی۔" رحمت بی بی کہتی چلی گئی۔

"آپ نے رحمت بی بی کا فیصلہ سن لیا، اب آپ کیا کہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے.... میں اپنی کوٹھی کا وہ حصہ گرا کر ان کے لیے ان کا کچا مکان تعمیر کرا دوں گا.... میں اپنے ظلم پر بہت شرمندہ ہوں۔"

"تب آپ کو ایک تحریر لکھ کر دینا ہو گی جس میں آپ یہ لکھیں گے کہ آپ نے پندرہ سال پہلے کس طرح رحمت بی بی کا مکان گرا کر اس کی زمین کو اپنی کوٹھی میں شامل کر لیا تھا.... اور اب آپ نے کسی دباؤ کے بغیر اپنی مرضی سے.... یہ سوچ کر کہ ایک دن تو مر ہی جانا ہے، پھر کیوں کسی کے حق پر قبضہ کیے رہوں، یہ فیصلہ کیا ہے کہ محل کا وہ حصہ گرا کر اس کی جگہ

دوبارہ رحمت بی بی کا مکان تعمیر کرا کے دوں گا اور یہ کام صرف چھ ماہ میں مکمل کرا کر دیا جائے گا، ورنہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا رحمت بی بی کو پورا پورا حق ہو گا.... کہیے کیا کہتے ہیں۔"

"میں تحریر نہیں دوں گا، ہاں! یہ وعدہ کرتا ہوں کہ یہی کروں گا۔"

"آپ نے بھی تو مکان پر قبضہ کر کے رحمت بی بی سے زبردستی انگوٹھا لگوایا تھا، اب آپ کیوں اپنے ظلم کے کاغذات پر دستخط کر دیتے۔"

"اگر میں ایسا نہ کروں تو تم لوگ کیا کرو گے۔" خان بہادر نے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔

"کرنا کرانا کیا ہے، کسی کے فرشتوں کو بھی یہ بات معلوم نہیں کہ آپ یہاں ہیں اور آپ کو کون اٹھا کر لایا ہے، لہٰذا آپ کو ختم کر کے اس جھونپڑی میں دفن کر دیا جائے گا جیسا کہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے۔"

"ہوں.... کاش میں نے تمہیں ملازم نہ رکھا ہوتا۔" خان بہادر نے دانت پیسے۔

"خان بہادر صاحب! بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ نے اب بھی عقل کے ناخن نہیں لیے.... آپ کو اب تک افسوس ہو رہا ہے کہ حق دار کو حق کیوں مل گیا ہے، حالانکہ آپ کو تو خدا کا لاکھ

لاکھ شکر کرنا چاہیے کہ اس نے اسی دنیا میں آپ کو ظلم کا
حساب چکانے کا موقع دے دیا ہے....."

"خیر.... لاؤ.... جو کہتے ہو، لکھوں" انہوں نے لاپروائی
سے کہا۔

"لکھ کر میں پہلے ہی لے آیا ہوں، آپ صرف اس پر دستخط
کر دیں اور گواہوں کے طور پر میرے یہ ساتھی اور انسپکٹر جمشید کے
نیچے دستخط کریں گے، حیرت تو یہ ہے کہ آج انسپکٹر جمشید بھی آپ کی
مدد کرنے کے لیے نہیں آ سکے"

"شاید ان کی آنکھ نہیں کھلی ہو گی" محمود بڑبڑایا۔

"اور یہ اچھا ہی ہوا.... ہم اطمینان سے اپنا کام مکمل کر لیں گے
.... کاغذ میں یہ بھی لکھا ہے کہ رامیس بدستور آپ کے گھر کا ملازم
رہے گا"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، میرے گھر میں چوری کرنے اور ڈاکے
ڈالنے کی وارداتیں کرنے والا کس طرح گھر میں ملازم رہ سکتا ہے"

"یہ نہ بھولیے.... یہ سب کچھ ہم نے رحمت بی بی کو گھر دلانے
اور آپ سے اس ظلم کا حساب لینے کے لیے کیا ہے، ورنہ ہم
کوئی پیشہ ور مجرم نہیں ہیں.... اور پھر..... وہ تمام زیورات
اور نقدی وغیرہ تو ہم آپ کو واپس لوٹا دیں گے۔ باقی رہے
پنکچر ہونے والے ٹائر اور وہ کار جو اڑائی گئی تھی.... وہ سب

بالکل درست حالت میں یہیں آس پاس موجود ہیں، ٹائر تک پنکچر
لگوا دیے گئے ہیں"

"اچھا بات ہے، لاؤ کاغذ.... میں پہلے اسے پڑھ لوں، پھر دستخط
کروں گا" خان بہادر نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات" رامیس بولا۔

تھوڑی دیر بعد کاغذات پر دستخط کروائے جا چکے تھے اور
گواہوں نے اپنے دستخط کر دیے تھے۔ رامیس نے یہ کاغذات تہہ
کر کے جیب میں رکھ لیے اور بولا:

"اب میں آپ کو واپس چھوڑ آتا ہوں.... معاہدے کے
مطابق آپ رامیس کو بدستور ملازم رکھیں گے.... اسے جواب نہیں
دیں گے"

"ٹھیک ہے، تم صبح سے اپنی ملازمت پر آ سکتے ہو، اور ہاں
وہ میرے زیورات، نقدی اور کار....."

"وہ سب آپ کو مل جائیں گے"

"لیکن تم نے دستخط اس وقت کرائے ہیں، اصول کے مطابق تو
میری چیزیں بھی اسی وقت مل جانی چاہییں تھیں"

"آپ فکر نہ کریں، ہم وعدہ خلاف نہیں ہیں.... آپ تک
آپ کی چیزیں پہنچا کر ہی دم لیں گے"

"اچھا خیر!" خان بہادر نے کندھے اچکائے۔ ان کا چہرہ قدرے

تک گیا تھا۔

"راڈوش! خان بہادر کو ان کی کوٹھی میں چھوڑ آؤ۔"

"ٹھہریے جناب! ایسے بات نہیں بنے گی۔" اچانک فرزانہ بول پڑی۔ سب چونک کر اس کی طرف مڑے

"کیا مطلب! کیا بات نہیں بنے گی؟"

"یہی کہ آپ نے خان بہادر سے دستخط تو کرا لیے ہیں، لیکن عدالت میں یہ صاف کہہ دیں گے کہ انہیں اغوا کر کے جنگل میں لے جایا گیا اور پھر وہاں زبردستی ان کاغذات پر دستخط کرائے گئے۔"

"تو پھر.... اس سے کیا ہوتا ہے۔" رامیس نے کہا۔

"ہوگا یہی کہ خان بہادر صاحب اپنی کوٹھی کا وہ حصہ نہیں گروائیں گے اور اس طرح رحمت بی بی پھر روتی رہ جائیں گی۔" فرزانہ نے کہا۔

"میں خان بہادر کو ایسا نہیں سمجھتا، میرا خیال ہے کہ خان بہادر صاحب اپنا وعدہ ضرور پورا کریں گے۔" رامیس نے کہا۔

"دیکھ لیں، کہیں آپ سر نہ پیٹتے رہ جائیں، خان بہادر کے لیے کوٹھی گروانا اور اس کی جگہ رحمت بی بی کا کچا مکان بنوا کر دینا تو اتنی بڑی بات نہیں، لیکن اس طرح ان کی جو بے عزتی ہوگی، اخبارات میں جو اس واقعے کا چرچا ہوگا، اسے خان بہادر صاحب برداشت نہیں کر سکیں گے.... لہذا وہ اس کام پر کسی طرح تیار ہی نہیں ہوں گے۔"

"اگر یہ تیار نہیں ہوں گے تو ہم یہ کاغذات عدالت کے روبرو پیش کر دیں گے۔"

"اور یہ عدالت میں کہہ دیں گے کہ ان کاغذات پر ان سے پستول کے زور پر دستخط لیے گئے ہیں۔"

"خیر دیکھا جائے گا، اگر یہ ایسا کریں گے تو ہم سے بھی جو ہو گا، کر لیں گے۔" رامیس نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی، ہمارا تو فرض تھا کہ آپ کو خبردار کر دیں۔"

"اور میں خبردار ہو گیا ہوں۔" رامیس نے برا سا منہ بنایا۔

"ابھی میں نے جس کاغذ پر خان بہادر کے دستخط لیے اس پر ان کی انگلیوں کے نشانات بھی ہیں۔"

"تو پھر.... اس سے کیا ہوتا ہے۔"

"تم ابھی بچے ہو، نہیں سمجھتے کہ اس سے کیا ہوتا ہے، راڈوش تم نے سنا نہیں، خان بہادر صاحب کو کار میں بٹھا کر ان کی کوٹھی تک چھوڑ آؤ۔"

"جی بہتر۔" راڈوش نے باادب ہو کر کہا۔

"اب تم تینوں بھی چلتے پھرتے نظر آؤ۔" ان کے جانے کے بعد رامیس نے کہا۔ "بلکہ راڈوش کے ساتھ ہی چلے جاؤ۔"

"آپ نے ایک نیک کام کیا ہے، اس لیے ہم آپ کے خلاف

کوئی قانونی چارہ جوئی نہیں کریں گے، اچھا خدا حافظ۔" محمود نے کہا۔

تینوں اٹھے اور جھونپڑے سے نکل آئے، راٹوش ان کا انتظار کر رہا تھا۔

"یار یہ کیا ہوا؟ ابا جان یہاں کیوں نہیں پہنچے۔" فاروق نے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"عجیب سا احساس ہو رہا ہے، ایک اتنا بڑا آدمی ایک بہت غریب سے آدمی کی ذرا سی زمین پر قبضہ کر لیتا ہے، صرف اس لیے کہ اس کی کوٹھی کی خوبصورتی میں کوئی کسر نہ رہ جائے.... گویا اسے دوسرے انسانوں کی خوشی سے کوئی غرض نہیں، وہ تو بس اپنی غرض کا پتلا ہے.... آخر ایسا کیوں ہے، اگر یہ خان صاحب کوٹھی کو ذرا سا ٹیڑھا بنوا لیتے تو کیا فرق پڑ جاتا۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"اسی کا نام تو دنیا ہے۔ یہاں اپنا مطلب نکالنے کے لیے نہ جانے کیسی کیسی ناانصافیاں ہوتی ہیں۔" محمود نے سرد آہ بھری۔

اپنے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے انہوں نے اپنے والد کے کمرے میں بھی جھانکا وہ بستر پر دراز تھے اور سر سے پاؤں تک چادر اوڑھے ہوئے تھے۔

"اوہ ارے! فرزانہ کے منہ سے نکلا، پھر وہ تیزی سے مڑی اور باہر نکل گئی۔ دونوں حیرت زدہ سے اسے کھڑے دیکھتے رہے....

پھر انہوں نے دروازہ کھلتے دیکھا، فرزانہ باہر نکل کر کھڑکی کے ذریعے اندر داخل ہوئی تھی۔ انہوں نے دیکھا، بستر پر انسپکٹر جمشید نہیں تھے۔

"ابا جان یہاں بھی نہیں ہیں، وہ جنگل میں بھی نہیں پہنچے، پھر آخر گئے کہاں؟"

"میں آ گیا ہوں۔" انہوں نے ان کی آواز سنی، انسپکٹر جمشید کھڑکی کے ذریعے اندر آ رہے تھے۔

"ابا جان! سارا کیس ختم ہو گیا، اب ہمارا یہاں کوئی کام نہیں رہا....."

"ارے کیا واقعی۔" ان کے لہجے میں حیرت در آئی۔

"جی ہاں!" فرزانہ بولی۔

"ذرا میں بھی تو سنو.... دراصل میں لیٹ ہو گیا.... اور کار کا تعاقب نہ کر سکا۔" انہوں نے کہا۔

اس پر انہیں ساری تفصیل سنائی گئی۔ وہ سن کر چپ رہ گئے۔ صبح کا سورج ان کے لیے نئی حیرت لے کر آیا۔ گھر میں پولیس موجود تھی اور رامیں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ خان بہادر پولیس کو ایک ایک تفصیل بتا رہے تھے کہ کس طرح رامیں نے لوٹ کھسوٹ کی، نقدی ہتھیا لی، تجوری کو لوٹا اور پھر ایک دھمکی آمیز کاغذ پر دستخط لیے.... اس نے ان پر یہ

غلط الزام لگایا کہ انہوں نے ایک بڑھیا کی زمین پر زبردستی قبضہ کر لیا اور اپنی کوٹھی کی زمین میں اس ٹکڑے کو بھی شامل کر لیا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے وہ زمین کا ٹکڑا خرید کر حاصل کیا تھا جس کے ثبوت میں انہوں نے کاغذات دکھائے ..... رامیس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل رہا تھا۔ آخر پولیس اسے لے گئی .... وہ کھڑے دیکھتے رہ گئے۔ آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"خان بہادر صاحب! اب شاید ہمارا یہاں کوئی کام نہیں رہ گیا، اس لیے ہمیں اجازت دیجیے۔"

"ٹھیک ہے جناب .... آپ کو میں نے بہت تکلیف دی .... افسوس آپ میرے لیے کچھ بھی نہ کر سکے۔"

"جی ہاں! یہ میری زندگی کا ایک ناکام ترین کیس ہے۔" انسپکٹر جمشید نے افسردہ لہجے میں کہا۔

ان سے اجازت لے کر وہ باہر نکل آئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کا برا حال تھا:

"ابا جان! کیا آپ رامیس کو جیل چلے جانے دیں گے، جب کہ ہم جانتے ہیں، ظلم خان بہادر نے کیا تھا، اس غریب نے تو ایک کمزور اور بے سہارا بڑھیا کی مدد کرنے کے لیے ایسا کیا ہے۔"

"ہوں! میں دیکھوں گا کہ رامیس کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے۔"

دوسرے دن رامیس عدالت میں حاضر تھا .... یہاں خان بہادر اور ان کا نائب بھی موجود تھے۔ انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ بھی تھے .... رامیس کو الزام پڑھ کر سنایا گیا .... جس کے جواب میں اس نے کہا:

"جناب والا! یہ سراسر جھوٹ ہے .... میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی، نہ ہی خان بہادر صاحب سے کسی کاغذ پر دستخط کرائے۔"

"جناب والا! یہ غلط کہتا ہے، اس کی انگلیوں کے نشانات اس کاغذ پر موجود ہیں۔" خان بہادر کے وکیل نے فوراً کہا:

"بہت خوب! اگر اس دھمکی آمیز کاغذ پر اس کے نشانات ثابت ہو گئے تو جرم ثابت ہو جائے گا۔"

"ہم اس کے لیے پہلے ہی تیاری کر چکے ہیں جناب والا، کاغذ پر پائے جانے والے انگلیوں کے دو نشانات بہت واضح ہیں .... اب اگر ہم رامیس کے ہاتھ کی انگلیوں کے نشانات لے کر ان سے ملائیں اور وہ کسی ایک نشان سے مطابقت کھا جائیں تو جرم ثابت ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے، اس کارروائی کو ابھی مکمل کر لیا جائے۔" جج صاحب نے کہا۔

فنگر پرنٹ کا ماہر پہلے ہی کمرہ عدالت میں موجود تھا۔ اس نے

راملیس کی انگلیوں کے نشانات لیے اور پھر کاغذ پر سے اٹھائے
گئے نشانات کے مقابل رکھ کر غور سے دیکھا، اس سے پہلے ہی ساری
بات بتا دی گئی تھی۔ عدالت اس کے منہ سے نکلنے والے امید
کے مطابق جملے کا انتظار کر رہی تھی.... باقی سب لوگ بھی اس
کی طرف دیکھ رہے تھے، پھر اس کی حیرت بھری آواز کمرۂ عدالت
میں گونجی:

"جناب والا.... کاغذ پر پائے جانے والے انگلیوں کے نشانات
مسٹر راملیس کی انگلیوں کے نشانات سے بالکل مختلف ہیں، یعنی انہوں
نے اس کاغذ کو چھوا تک نہیں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" خان بہادر زور سے چلائے۔

"خاموش رہیے.... عدالت کے احترام کا خیال رکھا جائے۔
مسٹر کیا آپ پوری طرح اطمینان کر چکے ہیں، ان میں سے کوئی
نشان مسٹر راملیس کی انگلیوں کے نشان سے نہیں ملتا۔"

"جی ہاں۔"

"تب پھر عدالت مسٹر راملیس کے خلاف کیس واپس لیتی ہے، کیونکہ
یہ مقدمہ صرف انہی نشانات کی بنیاد پر اٹھایا گیا ہے۔"

"جناب والا! اس موقعے پر میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" اچانک انسپکٹر
جمشید بولے۔

"آپ.... آپ تو شاید انسپکٹر جمشید ہیں۔" جج صاحب حیران

ہو کر بولے۔

"جی ہاں! آپ نے درست اندازہ لگایا...."

"آپ کو اجازت ہے، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"ابھی ابھی خان بہادر صاحب کے وکیل نے عدالت کو بتایا
ہے کہ مسٹر راملیس نے انہیں لوٹا کھسوٹا، زیورات اڑائے اور پھر
ان سے ایک دھمکی آمیز خط پر دستخط بھی لیے.... جس کاغذ پر دستخط
لیے گئے، اس کاغذ کے مطابق انہوں نے ایک بڑھیا رحمت بی بی کی
زمین ہتھیا لی تھی.... لیکن ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ بالکل غلط ہے
اور یہ کہ انہوں نے کسی کی زمین نہیں ہتھیائی.... لیکن انہوں نے
اپنی بے گناہی کے ثبوت میں کچھ نہیں کہا، جب کہ مسٹر راملیس انگلیوں
کے نشانات کے ذریعے بے گناہ ثابت ہو چکے ہیں.... کیا خان
بہادر صاحب یہ بات کسی طرح ثابت کر سکتے کہ انہوں نے زمین
ہتھیائی نہیں، خریدی تھی۔"

"میرے پاس کاغذات موجود ہیں۔"

"کاغذات تو آپ کے پاس بھی موجود ہیں.... جن پر آپ نے
دستخط بھی کیے تھے.... لیکن وہ غلط ثابت ہو گئے ہیں، بالکل اسی
طرح وہ کاغذات بھی غلط ہو سکتے ہیں جن پر رحمت بی بی کے
دستخط کرائے گئے ہیں.... یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید ڈرامائی انداز میں
خاموش ہو گئے۔

جج صاحب سوچ میں ڈوب گئے، پھر مسکرا کر بولے:

"انسپکٹر صاحب! یہ تو ٹھیک ہے کہ وہ پرانے کاغذات بھی غلط ہو سکتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ ان کے غلط ہونے کا کیا ثبوت ہے؟"

"جناب والا! میں یہاں پر یہ وضاحت کر دینا بہتر سمجھتا ہوں کہ خان بہادر صاحب بوڑھی عورت رحمت بی بی کو ہر موڑ پر شکست دیتے رہے ہیں..... ان کے مقابلے میں رحمت بی بی کی بات کسی نے بھی نہیں سنی..... نہ اس کی بات پر کسی نے یقین کیا..... صرف اس لیے کہ خان بہادر صاحب کے پاس تحریری ثبوت تھا..... کسی نے اس ثبوت کی موجودگی میں رحمت بی بی کی بات کو سچ نہ جانا، لیکن کس قدر حیرت کی بات ہے کہ جب ایک تحریری ثبوت رحمت بی بی کی طرف سے پیش ہوتا ہے تو اسے بھی غلط قرار دے دیا جاتا ہے، اور یہ جواب دیا جاتا ہے کہ تحریر پر ان سے زبردستی دستخط کرائے گئے ہیں.... ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ ان سے دستخط زبردستی کرائے گئے ہیں، لیکن دوسری طرف کاغذ پر رامیس کی انگلیوں کے نشانات بھی نہیں ہیں.... لیکن اب اگر میں ثبوت پیش کر دوں کہ آج سے پندرہ سال پہلے خان بہادر صاحب نے غریب بڑھیا کی زمین پر زبردستی قبضہ کیا تھا تو کیا اس پر بھی خان بہادر اپنے

تعلقات کی بنا پر بچ جائیں گے۔"

"ہرگز نہیں! جرم ثابت ہونے کے بعد کوئی شخص بھی قانون کی گرفت سے نہیں بچ سکتا، اگر آپ ثبوت پیش کر سکتے ہیں تو ضرور کریں۔"

"تو پھر ملاحظہ کیجیے جناب والا..... آپ جنگل میں ہونے والی گفتگو..... اپنے کانوں سے سن لیں، اس سے حقیقت واضح ہو جائے گی۔"

یہ کہہ کر انہوں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک ننھا سا ٹیپ ریکارڈ نکال لیا۔ ساتھ ہی اسے آن کر دیا گیا..... جھونپڑے میں ہونے والی ایک ایک بات عدالت میں موجود تمام لوگوں کو بالکل صاف سنائی دینے لگی..... خان بہادر کا منہ خوف سے اور محمود، فاروق، فرزانہ کے منہ حیرت سے کھلتے جا رہے تھے۔ آخر کیسٹ ختم ہو گیا۔ جج صاحب کا بھی مارے حیرت کے برا حال تھا، آخر انہوں نے کہا۔

"لیکن انسپکٹر صاحب! آپ تو وہاں تھے ہی نہیں، آپ نے یہ الفاظ کس طرح ٹیپ کر لیے۔"

"میں وہاں موجود تھا جناب والا۔" انسپکٹر جمشید ڈرامائی انداز میں بولے۔

"کیا مطلب؟" جج صاحب چونک اٹھے۔

"وہاں دراصل مسٹر رامیس موجود نہیں تھے، بلکہ ان کے میک اپ میں میں تھا۔"

"کیا!!!" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا.... جج صاحب عدالت کے احترام کو بھول گئے۔

شادیٔ مرگ

عدالت میں چند سیکنڈ تک سناٹا طاری رہا۔ پھر ٹیپ کو ایک بار پھر سنا گیا، آخر جج صاحب نے کہا:

"تو کیا خان بہادر جن وارداتوں کا شکار ہوئے، ان میں بھی آپ کا ہاتھ تھا۔"

"جی ہاں! مسٹر رامیس بے چارے کیا کر سکتے تھے، انھوں نے تو صرف رحمت بی بی کو سہارا دیا تھا.... رحمت بی بی نے پندرہ سال تک نہ جانے کتنے جتن کیے، لیکن اس کی ہر کوشش ناکام گئی، آخر ایک دن یہ میرے دفتر میں آ پہنچیں، میں نے ان کی درد بھری کہانی سنی، میں نے جائزہ لیا کہ خان بہادر کے خلاف کوئی بات ثابت کرنا انتہائی مشکل ہے، کوئی عدالت ان کے پاس موجود کاغذات کو نہیں جھٹلا سکتی، لیکن میں نے اپنے طور پر کوشش شروع کر دی..... میں نے رامیس کو ساتھ ملا لیا، اس سے پل پل کی خبر لینے لگا اور خان بہادر کے پروگرام درہم برہم کرنے لگا، پہلے ان کے شکار کے پروگرام کو ملیا میٹ کیا، پھر بنک

سے نکالی جانے والی نقدی اچک لی ..... اس کے بعد ایک کار غائب
کر دی ..... اس کے بعد انہیں دھمکی آمیز خط خنجر کے ذریعے ان کے
ہاتھوں میں پہنچایا، تاکہ یہ رحمت بی بی سے سمجھوتا کر لیں، لیکن
یہ ان سے سمجھوتہ کرنے کی بجائے قتل کرنے چلے گئے، میں ان کی
نیت کو بھانپ گیا تھا ..... اس لیے رحمت بی بی کو ایک محفوظ
مقام پر پہنچا دیا، خود ان کا استقبال کرنے کے لیے وہاں پہنچ
گیا ..... اس پر بھی انہیں عقل نہ آئی تو میں نے ان کی تجوری پر
ہاتھ صاف کر دیا، انہوں نے پھر بھی رحمت بی بی سے سمجھوتہ
کرنے کی خواہش کا اظہار نہ کیا، اپنے جرم کا اقرار نہ کیا، آخر میں
انہیں اٹھا کر جنگل میں لے گیا ..... وہاں ان سے اس تحریر پر دستخط
لیے اور رامیس کو ان کی تمام چیزیں دے کر کوٹھی بھیج دیا ..... رامیس
نے تمام چیزیں ان کے حوالے کر دیں، اس طرح خان بہادر کا
نقصان پورا ہو گیا، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ رحمت بی بی کو اس کا
حق واپس کر دیتے، لیکن انہوں نے کیا یہ کہ رامیس کو گرفتار کرا دیا
..... میں نے اپنی کوشش سے آپ کی عدالت میں فوراً ہی کیس
لگوا دیا، کیونکہ میں جانتا تھا کہ رامیس بالکل بے گناہ ہے اور
اسے حوالات میں ایک پل بھی نہیں رہنا چاہیے ..... خیر حوالات میں
تو میں نے اسے رہنے بھی نہیں دیا ..... تو جناب یہ تھی کہانی ایک بہت
بڑے آدمی کے چھوٹے سے جرم کی ..... لیکن افسوس ناک جرم کی .....

اب فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے، کیا اب بھی خان بہادر اپنے جرم
سے انکار کرتے ہیں۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔ جج صاحب چند لمحے
کے لیے سوچتے رہے، پھر انہوں نے فیصلہ سنایا:

"خان بہادر رحمت بی بی کو رضا مند کر لیں، وہ جس طرح بھی
رضا مند ہوں ..... انہیں وہی کرنا ہو گا ..... قاتلانہ حملے کے الزام
کے تحت ان پر نیا مقدمہ چلے گا ..... تاہم رحمت بی بی معاف
کرنا چاہیں تو یہ بھی ممکن ہے ..... اور اگر وہ انہیں سزا دلانے پر
بضد ہوں تو ..... خان بہادر صاحب کے لیے سزا تجویز کر دی جائے
گی ..... اگر رحمت بی بی عدالت میں موجود ہوں تو وہ اٹھ کر
اپنی مرضی بتا سکتی ہیں۔" یہ کہہ کر جج صاحب خاموش ہو گئے۔

عدالت میں موجود لوگوں نے ایک بوڑھی عورت کو بمشکل
اٹھتے دیکھا، اس کا پورا بدن لرز رہا تھا ..... اس کی تھرتھر کانپتی
آواز عدالت میں سنائی دینے لگی:

"جج صاحب! خدا آپ کا بھلا کرے اور انسپکٹر صاحب کا
بھی جنہوں نے میرے لیے یہ سب کچھ کیا ..... آج میں بہت
خوش ہوں ..... اتنی کہ کیا اپنی زندگی میں ہوئی ہوں گی، لیکن
جج صاحب ..... کیا خان بہادر صاحب مجھے میرا اصل گھر لوٹا سکتے
ہیں ..... وہی دیواریں، وہی دروازے ..... اس مٹی سے مجھے

پنے بزرگوں کی خوشبو آیا کرتی تھی، کیا وہ خوشبو اب میں کبھی
محسوس کر سکوں گی ، یہ تو خیر ٹھیک ہے .... کہ خان بہادر صاحب
پنی کوٹھی کو گروا کر مجھے ایک نیا مکان بنوا دیں گے .... لیکن
.... کیا ..... میں اس گھر کو اپنا گھر محسوس کر سکوں گی .... میرا
خیال یہ ہے کہ میں اس گھر میں گھٹن محسوس کروں گی ..... میرا
ہاں دم گھٹے گا ..... مجھے تو یہی خوشی بہت ہے کہ آپ نے
یصلہ میرے حق میں کر دیا ہے ، ایک بہت بڑا آدمی ایک بہت
چھوٹے آدمی سے شکست کھا گیا ہے، ظالم کو آج اپنے ظلم کی
سویر صاف نظر آگئی ہے ، اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں چاہیے
ناب والا .... آپ کا بہت بہت شکریہ ۔"

اس کے الفاظ یک دم رک گئے، دل پکڑ کر وہ بیٹھتی
لی گئی ..... اور پھر جیسے اس کے بدن سے جان نکل گئی ....
ن کے نزدیک بیٹھے ہوئے لوگوں نے تیزی سے اسے سنبھالا،
یکن اس کی روح تو جسم کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

عدالت پر سناٹا طاری ہو گیا .... جج صاحب بھی کرسی
سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے ، ہر شخص کے چہرے پر غم دوڑ
گیا .... خان بہادر کا چہرہ ندامت کے بوجھ سے جھک گیا۔

○

وہ عدالت سے نکلے تو بہت اداس تھے .... فاروق
تک کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی ..... جیپ گھر کی طرف
بڑھ رہی تھی ، خاموشی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا ،
آخر محمود نے کہا :

"لیکن ابا جان ! آپ تنہا وہ وارداتیں کس طرح کرتے رہے۔"

"تنہا نہیں ، میں نے اپنے تین ماتحتوں سے مدد لی تھی ، تمہیں
یاد ہوگا کہ ان دنوں میں پکنک منانے کے لیے تمہیں خود لے جاتا
رہا ہوں ..... وہ اسی لیے کہ مجھے رامیں کے ذریعے خان بہادر کے
پروگرام کی خبر مل جایا کرتی تھی اور میں پکنک کے بہانے جا کر
اس جگہ کا جائزہ لے لیتا تھا ، پھر اپنے ماتحتوں کو ہدایات دے
دیتا تھا۔ رات کے وقت میں ان کے ساتھ ہوتا .... خان
بہادر کی تجوری پر بھی میں نے ہی ہاتھ صاف کیا تھا ، لیکن مقصد
وہ کاغذات اڑانا تھا جو رحمت بی بی کے مکان کی فروخت کے تھے ...
لیکن جب تجوری میں مجھے وہ کاغذات کہیں نہ ملے تو میں نے نقدی
اور زیورات پر ہاتھ صاف کر دیا۔"

"اور یہ وجاہت میر کیوں اس رات اپنے کمرے سے غائب
تھے ؟"

"ارے ! تم ابھی تک نہیں سمجھے .... خیر سنو .... میں نے اس کی
حرکات اور سکنات دیکھی ہیں ، اس کے اور ہدایت علی کے آنکھوں کے

اشارے دیکھے ہیں، میں نے آسانی سے یہ اندازہ لگا لیا کہ رات
کے وقت ہدایت علی جس کے ساتھ جوا کھیلتا ہے، وہ وجاہت میر
ہی ہے .... اس رات بھی وہ اپنے کمرے سے نکل کر ہدایت
کے کمرے میں چلا گیا تھا ...."

"دھت تیرے کی .... میں اس کو مجرم خیال کرتا رہا۔" محمود
نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"اور میں رامیس کو۔" فرزانہ نے کہا۔

"اور میں .... میں اس کیس کے دوران بس خود کو مجرم خیال
کرتا رہا۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا، لیکن کوئی بھی مسکرا نہ سکا، کیونکہ
ابھی ابھی بڑھیا رحمت بی بی کو مردہ حالت میں دیکھ کر آئے تھے۔

"بے چاری بڑھیا.... پندرہ سال تک اپنے گھر کے لیے تڑپتی
رہی .... اور وہ وقت آیا بھی تو خود زندہ نہ رہی .... ویسے اس
کا کہنا بھی ٹھیک ہی تھا، خان بہادر اس کا گھر تو اسے لوٹا ہی نہیں
سکتے تھے۔" انسپکٹر جمشید نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"لیکن اس بار آپ کو سوجھی کیا .... ہم سوچ بھی نہیں سکے کہ
رامیس کے روپ میں آپ ہیں .... اور وہ وارداتیں آپ کر
رہے ہیں۔"

"بھئی کیا کروں .... مجرم بہت چالاک تھا، کسی طرح قابو میں
نہیں آ سکتا تھا، اس لیے یہ عجیب وغریب طریقہ اختیار کیا۔"

"بہر حال! ہمیں آپ کا جنگل کا قانون بہت اچھا لگا۔" فرزانہ
نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم آئے دن اس قانون کا سہارا
لینے لگو۔" انسپکٹر جمشید گھبرا کر بولے۔

"آپ فکر نہ کریں، ہم اتنے پاگل نہیں ہیں۔" محمود نے کہا۔

"تو پھر بتا کیوں نہیں دیتے، کتنے پاگل ہیں۔" فاروق نے
جلدی سے کہا۔

"اس بار ہنسنے کو جی نہیں چاہ رہا ..... نہ مسکرانے کو دل چاہ
رہا ہے .... لہذا اپنے جملے اپنے پاس ہی رکھو۔" انسپکٹر جمشید نے
منہ بنا کر کہا۔

اور فاروق کا بھی منہ بن گیا۔ محمود اور فرزانہ اس کے
بنے ہوئے منہ کو دیکھ کر منہ بنانے لگے۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۴۸

آخری خواہش

مصنف : اشتیاق احمد

- پھانسی پانے والے ایک شخص کی آخری خواہش حد درجے عجیب تھی ۔
- ایک شخص کی کہانی جو محبت ، نفرت اور انتقام کی آگ میں جل رہا تھا ۔
- آپ آخر تک یہ نہ جان سکیں گے کہ قاتل کون تھا ۔ یہ میرا دعوےٰ ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے ۔
- اس گھر کے سبھی افراد عجیب و غریب تھے ۔
- آخر میں سنسنی خیز انکشاف ۔

قیمت : ۵/۵۰

مکتبہ اشتیاق راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

آیندہ ناول کی ایک جھلک
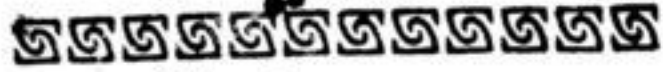
محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۴۹

خونی پہاڑیاں

مصنف : اشتیاق احمد

- وہ خان رحمان کے گھر پہنچے تو ظہور کان پکڑے کھڑا تھا ۔
- خان رحمان کا ملاقاتی ایک سنسنی خیز خبر لایا تھا ۔
- محمود، فاروق اور فرزانہ کو خان رحمان کے ساتھ خونی پہاڑیوں تک جانا پڑا ۔
- لیکن وہاں ان کے لیے قدم قدم پر موت تھی ۔ ایک خوفناک کہانی ۔

قیمت : ۵/۵۰

مکتبہ اشتیاق راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

آیندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب، آصف اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۱۲

— مصنّف : اشتیاق احمد —

- لیجیے، اب تصویریں بھی دھمکیاں دینے لگیں — ہے نا عجیب بات۔
- انسپکٹر کامران مرزا، آفتاب اور آصف عجیب اُلجھن کا شکار —
- تصویر کس کی تھی، وہ کیا چاہتی تھی ؟
- قدم قدم پر حیرتوں کا سامنا —

آپ کتاب سے نظر نہیں اٹھا سکیں گے —

قیمت : ۵/۵۰

مکتبہ اشتیاق راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

متفرق سلسلے کی ایک اور پیش کش ۲۱

میری کہانی

مصنف : اشتیاق احمد

- اشتیاق احمد کی کہانی پڑھ کر آپ کو ان کے بارے میں کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔
- اشتیاق احمد نے پہلی کہانی بڑا قد سے لے کر مکتبہ اشتیاق تک کا سفر کس طرح طے کیا —
- ان لمحوں کی کہانی جب وہ فٹ پاتھ پر کھانا کھاتے تھے —
- پہلے دو ناولوں کی اشاعت کے لیے انھوں نے کیا کیا پاپڑ بیلے —
- ان کی کہانی آپ کو مسکرانے پر بھی مجبور کرے گی اور......

قیمت : ۵/۵۰

مکتبہ اشتیاق راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

مکتبہ اشتیاق کی دینی پیشکش

متفرق سلسلہ — ۲۱

صحابہؓ کی باتیں

مصنف : اشتیاق احمد

- آپ اس سلسلے کی چھ کتب پڑھ چکے ہیں۔
- آپ ہی کے پرزور اصرار اور خطوط کے انبار نے مجھے یہ سلسلہ پھر سے شروع کرنے پر مجبور کر دیا۔
- صحابہؓ کی باتیں بھی آپ کو قدم قدم پر چونکا دیں گی۔ جاسوسی ناولوں سے بڑھ چڑھ کر دلچسپ۔ حیرت انگیز اور سنسنی خیز۔
- صحابہؓ کرام کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کے لیے کیا کچھ کرنا پڑا

قیمت : ۵/۵۰

مکتبہ اشتیاق راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

اشتیاق احمد سرگودھا میں

سرگودھا کے
ہونہاروں کے پُر زور اصرار پر

اشتیاق احمد

ایک بار پھر ان سے مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۸۱ء بروز جمعرات دوپہر ۱۲ بجے تا ۲ بجے ملاقات کریں گے۔ ملاقات کے خواہش مند بچے پتا ذیل پر ان سے ملاقات کر سکتے ہیں۔

رشید بُک ڈپو
اردو بازار سرگودھا

اشتیاق احمد کی کتب
اور ان کے علاوہ بچوں کے ناول
سامان سٹیشنری
رسالہ جات
سکول اور کالج کی کتب
اور کھیلوں کا سامان

ان بچوں اور بڑوں نے اپنے خطوط پر پتے نہیں لکھے ؛ لہٰذا انہیں خطوط کے جوابات نہیں دیے جا سکے ـــ

محمد ذاکر گوجر خان، رشید، رضوان، جنید رشید، سمانہ زہرا، حمیرا خان، کاشف، لبنیٰ، عمران سعدیہ، ذوالفقار علی، طاہر حسین، عدنان اسلم، فرخ جمیل میر پور خاص، ثمینہ، فرحت، فائزہ، رضوی، ایم شفیع صدیقی، راحت منظور، عنایت الدین گورمانی، سرفراز خان، طارق خان، محسن وقار، عقیل احمد خان، بابر، عطیہ نرگس، عبدالقادر کراچی، محمد یونس، طاہر شیخوپورہ، سیما، آفتاب، ادریس، رانا ابرار احمد میاں چنوں، سلمان شریف، عارف ظہیر، عبداللطیف عباس، ہلال احمد کراچی، ندیم رخسانہ، سلمان فاروق، عادل، عامر جاوید، رضوان جاوید

چند بچوں نے جوابی لفافے ساتھ بھیجے ـــ مگر ان پر بھی پتا نہیں تھا ـــ